مارچ
March 2018



اہل سنت و جماعت کا ترجمان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی











₹ 20

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

PAIGAM E SHARIAT
Monthly

جمادی الاخریٰ ورجب ۱۴۳۹ھ | جلد ۳ | شمارہ نمبر: ۳۰ | MARCH-2018

ایک شمارہ کی قیمت 15 روپے، سالانہ زر تعاون 150 روپے، بیرون ممالک کے لئے 40 ڈالر خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد قاسم نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس 3636 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "پیغام شریعت" 442، سیکنڈ فلور، گلی سروتے والی، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل وزر کا پتہ

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighameshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighameshariat
A/c. No. 6409744750, IFSC Code IDIB000J033

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکہ پبلیشر دہلی
گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔ ۶
آفس کا فون نمبر: Ph: 011-23260749, Mob: 9911062519

فہرست مضامین

{نوٹ}

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

مہمان اداریہ

طلاق ثلاثہ بل: حقائق ومضمرات

از: مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، استاذ ومفتی جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

توقع کے مطابق سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بنچ میں سے دوججوں کی ہدایت کونوٹس میں لیتے ہوئے موجودہ بی جے پی حکومت نے مسلم خواتین کی ہمدردی کے نام پر بنائی ''طلاق ثلاثہ بل'' بڑی عجلت میں پارلیمنٹ میں پیش کردیا اور بدقسمتی سے وہاں پاس بھی ہوگیا، تاہم خوشی کی بات ہے کہ ایوان بالا (راجیہ سبھا) میں حزب اختلاف کی مخالفت کی وجہ سے یہ بل نامنظور ہوگیا، اب دیکھئے حکومت کیا گل کھلاتی ہے۔

طلاق ثلاثہ بل کی بعض دفعات کا ہی جائزہ لیجئے تو عجیب وغریب گوشے سامنے آئیں گے جو غیر معقول بھی ہیں اور ظالمانہ بھی، عقل وخرد سے دور اور ظلم سے بھرپور، کچھ تو ایسے گوشے ہیں جن کا ادراک ایک عامی بھی کرسکتا ہے۔ بل کی چند بنیادی دفعات یہ ہیں۔

(۱) ایک نشست میں تین طلاق دینے والے کو تین سال کی سزا ہوگی۔

(۲) یہ سزا غیر ضمانتی ہوگی، یعنی اس میں ضمانت قابل قبول نہ ہوگی۔ طلاق دہندہ کو بہرصورت تین سال کی سزا کاٹنی ہے۔

(۳) شوہر وبیوی میں اختلاف کی صورت میں کوئی تیسرا خواہ وہ کہیں کا ہو، کوئی ہو، مقدمہ درج کرسکتا ہے۔

(۴) بیوی کی کفالت شوہر کرے گا۔

(۵) بچہ ماں کے پاس رہے گا۔

عدل وانصاف کے ساتھ مذکورہ دفعات کا جائزہ لیجئے تو درج ذیل تجزیے سے ضرور اتفاق کریں گے۔

(الف) بیک نشست تین طلاق کو نافذ نہ مان کر تین سال تک کی غیر ضمانتی قید وبند کی سزا دینا انتہائی غیر مقعول ہے کہ یہ بے جرم کے سزا دینا ہے، جب کہ کسی بھی قسم کی طلاق دینا جرائم وکرائم کے دائرہ میں نہیں آتا۔ وہ دیوانی معاملات میں آتا ہے۔

(ب) تین طلاق کو نافذ نہ مان کر طلاق دینے والے شوہر کو تین سال کی غیر ضمانتی قید کی سزا دینے کے کئی بڑے نقصانات ہیں۔

(۱) ایسی مطلقہ عورت تین سال تک نان ونفقے سے محروم ہوجائے گی۔

(۲) اگر اس کے بچے ہیں اور خود کفیل نہیں تو وہ بچے دانے دانے کے محتاج ہوجائیں گے۔

(۳) اگر اس کی لڑکی شادی کے لائق ہوچکی ہے تو تین سال تک وہ نہ شادی کرسکے گی، نہ اس کا مجوزہ رشتہ رہ سکے گا اور یہی صورت حال شادی کے لائق لڑکے کو بھی درپیش ہوگی۔

(۴) اگر اس کی بوڑھی ماں اور بوڑھے باپ ہیں جن کا گزر بسر اور دیکھ ریکھ اسی طلاق دہندہ کی آمدنی اور خدمت پر منحصر ہے تو یہ ماں باپ سخت ترین مشکلات کے شکار ہوجائیں گے۔ یوں ہی جن جن رشتہ داروں کے خورد ونوش ودیگر ضروریات کا وہ کفیل تھا، وہ سب سخت تکلیف میں مبتلا ہوجائیں گے۔

(۶) تین سال تک قید میں رہنے کے بعد پھر وہ شوہر اس مطلقہ عورت کو قبول کرنے سے انکار کردے گا اور گھر میں اسے جگہ نہ دے گا۔

اس طرح تو مطلقہ عورت زندگی بھر نہ صرف انیس وغم خوار سے، بلکہ نان ونفقے سے بھی محروم رہے گی۔

(۷) بہت سے بڑے جرائم کی سزا بھی ضمانتی ہوتی ہے، اور طلاق دینا جرائم سے نہ ہونے کے باوجود اسے غیر ضمانتی رکھا گیا ہے۔ وہ بھی مسلسل تین سال تک۔ یہ بھی صریحاً ناانصافی ہے۔

(۸) بل کی یہ دفعہ بھی کتنی ظالمانہ ہے کہ یہ کا گنی زیبل آفنس ہوگا، یعنی اگر میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو جائے تو تیسرا مقدمہ درج کر سکتا ہے۔ جب دو کی ازدواجی زندگی میں تیسرے کی مداخلت کو قانوناً تسلیم کر لیا جائے گا تو اس کے برے نتائج سامنے آئیں گے جو معمولی سی عقل رکھنے والے پر مخفی نہیں۔

(۹) خواتین کی ازدواجی زندگی کے تحفظ کے نام پر عجلت میں بنائی گئی اس بل میں ایسی مطلقہ خواتین اور اس کے بچوں وبچیوں کی کفالت حکومت کرے گی، اس کا ذکر کہیں نہیں، بلکہ بل میں صراحت ہے کہ ایسی عورت کی کفالت شوہر کے ذمہ ہوگی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایسے مرد وعورت پر حکومت مہربان نہیں، بلکہ ان کے لیے شدید ظلم کی راہ کھول رہی ہے۔

(۱۰) طلاق خواہ کسی قسم کی ہو، وہ دیوانی معاملے میں شمار ہوتی ہے، وہ ہرگز مجرمانہ (criminal) معاملات میں نہیں آتی۔ سپریم کورٹ کے ججوں کے فیصلے میں بھی اسے مجرمانہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔ میری معلومات میں دنیا کے کسی قانون میں اسے کرائم کے دائرے میں نہیں رکھا گیا ہے، مگر طلاق ثلاثہ بل میں جو سزا تجویز کی گئی ہے، وہ بڑے جرائم کی سزا ہے، بلکہ غیر ضمانتی قرار دے کر بہت سے بڑے جرم پر بھی اسے فوقیت دی گئی ہے۔

تین طلاق بیک نشست ہو، یا بہ سہ نشست، اس سے تین کا واقع ہونا مسلم پرسنل لا سے اوپر اسلامک لا ہے، اور قرآن کریم کی سورہ بقرہ آیت نمبر۲۳۰ میں واضح طور پر تین طلاق کے تین واقع ہونے کا ذکر ہے۔ صحیح حدیثوں میں بھی تین طلاق کو تین قرار دیا گیا ہے۔ چاروں ائمہ فقہ، امام اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس پر اجماع واتفاق ہے اور چودہ سو سالوں سے مسلمانوں کا اس پر عمل ہے، پھر یہ کہ قانونی اعتبار سے بھی تین طلاق کو تین ماننا آئین کے دفعہ ۲۵ کا تحفظ ہے۔ اسلامک لا تو اسلامک لا، مسلمانوں کے عائلی قانون کی کسی بھی دفعہ کو من مانا اور غیر آئینی کہہ کر ختم نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ پانچ رکنی بنچ میں شامل جسٹس کورین نے اپنے فیصلے میں وضاحت کی ہے۔

بہ طریق جمہوریت منتخب ہونے والی حکومت اس بات کی پابند ہے کہ وہ مسلمانوں کے معاملات ومسائل میں اسلامی شریعت کے احکام کو من وعن باقی رکھے، اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ بصورت دیگر یہ دستور میں دیئے گئے حقوق ومذہبی آزادی کی صریح خلاف ورزی ہے۔

بل کی بعض دفعات کے تجزیہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ طلاق ثلاثہ بل انتہائی غیر منصفانہ وغیر دانش مندانہ ہے، جس میں دیوانی معاملے کو فوجداری قانون کے تحت رکھا گیا ہے۔ مطلقہ عورت کی ہمدردی کے نام پر اس کا زبردست استحصال ہے۔ اس کے بچوں کا استحصال ہے، اور ایک شخص کو غیر ضروری سزا دلوا کر اس شخص کے زیر کفالت بہت سے افراد کو زدوکوب کرنے کا ایک ظالمانہ فارمولہ ہے۔

حکومت کا کام دستور وآئین کا تحفظ ہے۔ دستور کے مطابق شہریوں کے حقوق کی حفاظت ہے۔ مذہب میں مداخلت کرنا اور فتویٰ دینا یہ حکومت کی نہ ذمہ داری ہے، نہ حکومت کو اس کا اختیار ہے۔ اکثریت کی خوشنودی حاصل کرنے اور اقلیتوں کو ہراساں کر کے اپنے مخصوص نظریات اور سیاسی اہداف کو پانے کے لیے موجودہ حکومت نے جو طرز فکر وعمل اختیار کر رکھا ہے، وہ جمہوریت کش ہے، دستور وآئین کو پس پشت ڈال کر جو حالات عمداً اور منصوبہ بند طریقے سے پیدا کئے جا رہے ہیں۔ وہ شدید طوفان کا پیش خیمہ ہے۔

ابھی کچھ دنوں پہلے ہندوستانی جمہوریت کی تاریخ میں جو پہلا اور اپنی نوعیت کا انفرادی واقعہ رونما ہوا اور سب سے بڑے ادارۂ انصاف (سپریم کورٹ) کے چار سینئر ججوں نے میڈیا کے روبرو جن زمینی حقائق کی طرف اشارہ کر کے جمہوریت کو بچانے کی اپیل کی، اس سے ہر ہند وستانی پر یہ واضح ہو گیا کہ موجودہ حکومت اندرون خانہ عدلیہ کو بھی کس رنگ میں رنگنا چاہتی ہے؟ اور یہ کہ ملک کے قانون اور جمہوری قدروں کو کس طرح شدید خطرات لاحق ہیں۔

درحقیقت طلاق ثلاثہ کا معاملہ کوئی بڑا معاملہ نہیں، کیوں کہ یہ صرف 0.3% کی تعداد میں ہے۔ اس سے بڑھ کر اس بیس لاکھ ہندو عورتوں کا معاملہ ہے جو اپنے شوہروں کے ستم کی بنا پر عسرت و تنگی اور علیٰحدگی کی اذیت میں زندگی بسر کر رہی ہیں، مگر مودی حکومت کا صرف مسلم مطلقہ عورتوں کے ساتھ اظہار ہمدردی منصوبہ بند استحصال کی سازش ہے۔ مسلم سماج کو بدنام کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو مزید مالی و جانی اذیت پہنچانا ہے، جس کے لیے پہلے طلاق ثلاثہ کو کالعدم قرار دینے کی جدوجہد، پھر طلاق ثلاثہ بل بنا کر مسلم مرد کو جیل کی سزا، یہ ہمدردی ہے یا ایسی عورت کو بالکل بے سہارا کرنا اور ان کے بچوں کو باپ کی کفالت سے بالکلیہ محروم کرنے کی سازش ہے۔ اس طرز عمل سے جمہوریت کا تحفظ نہ ہوگا، بلکہ دستور و آئین فنا ہو جائیں گے، اور نظام انصاف درہم برہم ہو جائے گا۔

ایسے حالات میں مسلم قائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ مخلصانہ جدوجہد کریں اور سیکولر جماعتوں کو طلاق ثلاثہ بل کے مضمرات سے واضح طور پر واقف کرائیں اور بل میں موجود استحصالی دفعات کا تجزیہ کر کے بل کے خلاف ان سے متحدہ آواز اٹھانے کی گزارش کریں اور بہرصورت اس غیر منصفانہ وغیر دانش مندانہ و ناقابل قبول بل کو نامنظور کرنے کے لیے حتی المقدور سعی بلیغ کریں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے شکوۂ قسمت کیسا؟

ع/　ضرب مرداں سے اگل دیتا ہے پتھر پانی

(بقیہ ص ۱۴) جیسا کہ ڈاکٹر اقبال نے کہا:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں　راہ دکھلائیں کسے، کوئی رہرو منزل ہی نہیں

اب اگر کوئی واعظ اس واقعے کو شریعت کے عمومی ضابطے کے طور پر بیان کر کے کبیرہ گناہوں کی طرف بالواسطہ یا بلاواسطہ ترغیب دے تو اسی کو عربی میں { تَأْوِيْلُ مَالَمْ يَرْضَ بِهِ الْقَائِلُ } کہتے ہیں، یعنی کسی کے قول کی ایسی تاویل کرنا جو قائل کے منشا کے خلاف ہو۔

قتل ناحق کی مذمت وشناعت میں تو کثرت کے ساتھ قرآن وسنت کی نصوص موجود ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایک بے قصور انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر فرمایا ہے اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پورے نظامِ کائنات کی بساط کو لپیٹ دینا ایک بے قصور مسلمان کے قتل ناحق کے مقابلے میں معمولی بات ہے۔ (سنن ترمذی: حدیث ۱۳۹۵)

یہاں گنجائش نہیں کہ کتاب وسنت کی تمام نصوص کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔ اسی طرح حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعتِ عظمیٰ کا بیان اس طرح کرنا کہ کبیرہ گناہوں کی سنگینی کو معمولی بنا کر پیش کیا جائے، یا اس سے کبیرہ گناہوں پر جری کیا جائے، ایسا کرنے والا ضال ومضل ہے اور {خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ} کا مصداق ہے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے اور ایسے شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟ امام اہل سنت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کا مذکورہ بالا شعر تو حضور اقدس رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ اور شفاعتِ عظمیٰ کو بدرجہ کمال بیان کرنے کے تناظر میں ہے۔ دین کی نزاکتوں کو بازیچہ اطفال نہ بنایا جائے۔............(جاری)

پندرہویں قسط

مشکل احادیث اوران کا حل

از: مولانا کوثر امام قادری: مہراج گنج (یوپی)

تین دن تک ترک تعلق

{عن ابی ایوب الانصاری رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث لیال یلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا وخیر ھما الذی یبدأ بالسلام}(صحیح مسلم :باب تحریم الھجر)ئ

ترجمہ:حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایاکسی مسلمان کے لیے یہ جائزنہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک تعلق کرے۔دونوں باہم ملیں ،پس یہ اس سے منھ موڑلے،اوروہ اس سے منھ موڑلے،اوران دونوں میں بہتروہ شخص ہے جوسلام کرنے میں پہل کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کے لیے جائزنہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی ،بہن ،بیوی، دوست ،احباب سے تین دن سے زیادہ تک ترک تعلق برقراررکھے،جب کہ حدیث ایلا سے کچھ اورمستفادہوتا ہے۔

{عن عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال اصبحنا یومًا ونساء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یبکین وعند کل امرأۃ منھن اھلھا فجاء عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ فصعد الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھوفی غرفۃ لہ فسلم علیہ فلم یجبہ احد ثم سلم فلم یجبہ احد فلما رای ذلک انصرف فدعاہ بلال فدخل علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال ا طلقت نسائک؟ قال لا،ولکن آلیت منھن شھرًا فمکث تسعًا وعشرین لیلۃ ثم نزل فدخل علٰی نسائہ}

(شرح معانی الآثار:باب الرجل یحلف)

ترجمہ:حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن یوں صبح کیے کہ حضوراقدس سرکاردو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رورہی تھیں اوران میں سے ہر ایک کے پاس ان کے گھر والے تھے ۔اتنے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اورحضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (بالا خانے میں) حاضر ہوگئے ،سلام پیش کیا تو کسی نے جواب نہ دیا، پھرسلام پیش کیا تو کسی نے جواب نہ دیا۔ جب یہ حالت دیکھی تو واپس لوٹ گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو بلایا۔ آپ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے ،عرض کیا: کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:نہیں ، بلکہ میں نے ان سے ایک مہینہ کے لیے ایلا کیا ہے (قریب نہ جانے کی قسم کھائی ہے)، انتیس دن ٹھہرنے کے بعد آپ نیچے اترےاورازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے۔

یہ روایت اورواقعہ کی تفصیل بخاری ومسلم میں شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہے۔ ہم نے مختصر ہونے کی بنا پرشرح معانی آ ثار سے نقل کی ہے۔

حل اشکال

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو تین دنوں سے زیادہ یعنی ایک ماہ تک چھوڑے رکھا ، اسی طرح غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے حضرت کعب بن مالک اوران کے اصحاب سے پچاس دنوں تک ترک تعلق رکھنا پایا گیا، نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترک تعلق کیا تھا، جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت عوف بن طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ خبر دی گئی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو بیع کی تھی، یا کسی کو کوئی عطیہ دیا تھا، اسی کے متعلق حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہا: بہ خدا حضرت عائشہ رک جائیں، ورنہ میں ان کو تعرض کرنے سے روک دوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: کیا واقعی اس نے یہ کہا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں، انھوں نے یہ کہا ہے ۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اللہ کے لیے میری یہ نذر ہے کہ میں ابن زبیر سے کچھ بات نہ کروں گی۔ جب ترک تعلق کی مدت قریب ہوگئی تو حضرت بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے متعلق سفارش کرائی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: نہیں، میں ان کے متعلق کوئی سفارش قبول نہیں کروں گی، اور اپنی نذر باطل نہیں کروں گی۔

جب یہ ترک تعلق بہت طویل ہو گیا تو حضرت عبد اللہ بن زبیر نے مسعود بن مخرصہ اور عبد الرحمٰن ابن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہا: میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم دونوں مجھے حضرت عائشہ کے پاس لے چلو، کیونکہ ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مجھ سے قطع تعلق کرنے کی نذر مانیں۔ حضرت مسعود اور عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی اپنی چادریں نیچے سمیٹے ہوئے گئے، اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنے کی اجازت طلب کی اور کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیا ہم آسکتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: آجاؤ۔ انھوں نے پوچھا: کیا ہم سب آجائیں؟ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ہاں، تم سب آجاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ علم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

جب یہ سب داخل ہوئے تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجاب کے اندر چلے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لپٹ کر رونے لگے (حضرت ابن زبیر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے تھے) حضرت ابن زبیر حضرت عائشہ کو قسم دینے لگے اور رونے لگے۔ حضرت مسعود اور حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بات کرنے کے لیے قسم دینے لگے اور کہنے لگے کہ آپ جانتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ترک تعلق سے منع فرمایا ہے اور یہ کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی سے ترک تعلق جائز نہیں ہے، جب انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت اصرار کیا اور حرج کا بیان کیا تو حضرت عائشہ بھی رونے لگیں اور اپنی نذر کا ذکر کیا اور کہا کہ میں نذر مان چکی ہیں اور نذر کا معاملہ بہت سنگین ہے۔ وہ دونوں پھر اصرار کرنے لگے، حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بات کر لی اور اپنی نذر کے کفارے میں چالس غلام آزاد کیے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی نذر کو یاد کر کے روتی تھیں، حتی کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔ (بخاری)

اس طرح کے دیگر واقعات بھی ہیں جن سے ممانعت والی حدیث سے تعارض نظر آرہا ہے۔ اس کے حل کے لیے علامہ ابن خلفہ ابی مالکی (م۸۲۷ھ) فرماتے ہیں۔

حدیث شریف میں تین دن سے زیادہ جس ترک تعلق کی ممانعت ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ حقوق معاشرت یا حقوق صحبت میں تقصیر کی بنا پر ایک دوسرے سے رنجیدہ ہو جاتے ہیں، یا کسی کا عیب نکالنے، یا کسی دنیاوی معاملہ میں غضبناک ہو کر تعلق

ترک کر لیتے ہیں،سواس قسم کے معاملہ میں تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرنا جائز نہیں،لیکن اگر کسی شرعی عیب یا معصیت کی بنا پر ترک تعلق کیا جائے تو وہ جائز ہے، کیونکہ جب تک اس شرعی عیب یا معصیت کو ترک نہ کیا جائے اور اس کا مرتکب اس سے توبہ نہ کر لے،اس سے ہمیشہ ترک تعلق رہے گا، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ حضرت کعب بن مالک اور ان کے اصحاب (جو سستی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے) سے ترک تعلق کیا جائے،سوان سے بچاس دن تک ترک تعلق رہا،حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے ترک تعلق رکھا۔حضرت عائشہ نے حضرت ابن زبیر سے ایک مدت تک ترک تعلق رکھا اور کئی صحابہ کا اسی حال میں انتقال ہو گیا کہ انھوں نے ایک دوسرے سے ترک تعلق کر رکھا تھا۔(اکمال اکمال المعلم جلد ۷،ص ۱۶)

علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں:حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک اور حضرت کعب بن مالک سے بچاس دن تک ترک تعلق رکھنا بطور عتاب تھا، جب ازواج مطہرات نے مطالبہ نفقہ سے رجوع کر لیا اور حضرت کعب اور ان کے ساتھیوں کی توبہ قبول ہو گئی تو عتاب وترک تعلق ختم ہو گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبداللہ بن زبیر کی خالہ تھیں، جب حضرت ابن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق دل آزار کلمات کہے تو ان کا یہ فعل حقوق والدین کے قبیل سے تھا،اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تادیباً ان سے کلام ختم کر دیا۔اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ بطور عتاب وتادیب تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرنا جائز ہے۔
(شرح مسلم سعیدی جلد ۷،۱۰۱)

نکاح کے موقع پر چھوہارہ لوٹنا

{عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰہ عنه قال:بایعنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علی ان لا ننتهب}
(شرح معانی الآثار:باب انتہاب مانثر)

ترجمہ:حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:ہم نے حضرت سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی کہ لوٹ مار نہیں کریں گے۔

{عن ثعلبة بن الحكم رضی اللّٰہ عنه قال:اصاب الناس علٰی عهد النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم غنمًا فانتهبوها فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم:لا تصلح النهبة ثم امر بالقدور فاکفئت}(شرح معانی الآثار:باب انتہاب مانثر)

ترجمہ:حضرت ثعلبہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:حضور اقدس سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں، صحابہ کرام کو ایک بکری ملی تو اسے لوٹ لیا۔حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:اسے لوٹنا اچھا نہیں، پھر آپ نے حکم فرمایا تو ہانڈیاں الٹ دی گئیں۔

ان روایات سے پتہ چلا کہ لوٹنا غیر پسندیدہ فعل ہے،لیکن حسب ذیل کی روایت اس کے خلاف ہے۔

{عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنه قال:شهد رسول اللّٰہ ملاک شاب من الانصار فلما زوجوه قال:علی الالفة والطیر المیمون والسعةفی الرزق،بارک اللّٰہ لکم،دففوا علٰی رأس صاحبکم فلم یلبث ان جاء ت الجواری،معهن الاطباق علیها اللوز والسکر فامسک القوم ایدیهم فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم : ا لاتنتهبون؟فقالوا:یا رسول اللّٰہ! انک کنت نهیت عن النهیة–قال: تلک نهبة العساکر فاما العرسات فلا–قال:فرأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بجاذبهم و یجاذبونه}(شرح معانی الآثار:باب انتہاب مانثر)

ترجمہ:حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک انصاری

نو جوان کے نکاح میں تشریف لے گئے۔ جب ان لوگوں نے اس کا نکاح کر دیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الفت نیک فالی اور وسعت رزق کا باعث ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔ اپنے ساتھی کے سامنے دف بجاؤ۔ تھوڑی دیر میں کچھ لڑکیاں آ گئیں، ان کے پاس اخروٹ اور شکر کی ٹوکری تھی۔ لوگوں نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں لوٹتے نہیں؟ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ نے تو لوٹنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا: وہ لشکروں کا لوٹنا ہے، لیکن شادی بیاہ کی لوٹ منع نہیں۔ راوی نے کہا: میں نیحضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی طرف بڑھتے اور وہ آپصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بڑھتے۔

حل اشکال

مذکورہ دونوں قسم کی حدیثوں میں موافقت ظاہر کرتے ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں:

ان روایات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس لوٹ مار سے منع فرمایا، اس سے مراد وہ لوٹ مار ہے جس کی اجازت نہ دی گئی ہو، لیکن اگر کوئی شخص لوگوں پر کچھ نچھاور کرے اور ان کے لیے اس کا لینا جائز قرار دے تو اس کا حکم یہ نہیں، کیونکہ اس کی اجازت ہے اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسی لوٹ مار کی اجازت دی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین دن قربانی کا دن ہے، پھر یوم عرفہ ہے (اس کے بعد) پانچ یا چھ اونٹ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیے گئے تو ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب ہونے لگا کہ آپ کس سے ابتدا کریں، جب وہ پہلوؤں کے بل گر گئے، ذبح ہو گئے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہلکا سا کلمہ فرمایا، جسے میں سمجھ نہ سکا۔ میں نے اپنے قریب والے ساتھی سے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چاہے کاٹ کر لے جائے۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا- ''جو چاہے کاٹ کر لے جائے''- اور اسے مباح قرار دیا تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جس کھانے وغیرہ کا مالک اسے لوگوں کے لیے مباح قرار دے، وہ اس سے لیے سکتے ہیں اور وہ اس لوٹ کے خلاف ہے جس سے پہلی روایت میں منع فرمایا گیا ہے تو جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ جس لوٹ مار کا ذکر پہلی روایت میں ہے، اس سے مراد وہ لوٹ مار ہے جس کی اجازت نہ دی گئی، اور جسے مباح قرار دے دیا گیا اور اس کی اجازت دے دی گئی تو اس کا حکم وہ ہے جو ان بعد والی روایت میں مذکور ہے۔ (شرح معانی الآثار: باب انتھاب مانثر)

(بقیہ ص ۲۶ کا) فکر کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ نصاب تعلیم میں بھی ترمیمات چاہتے ہیں، بلکہ یہاں تک سنا گیا ہے کہ اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی کا انتخاب بھی عمل میں آ چکا ہے، جو مدارس کے نصاب تعلیم میں ترمیم وتبدیلی کے لیے سر جوڑ کر بیٹھ گئے ہیں۔ غرض کہ ہر طرح سے مدارس کو نشانہ بنانے کی سعی جاری ہے۔ حکومت چاہتی ہے کہ مسلمانوں کے مدرسے اب ہمارے اشارۂ ابرو پر چلیں۔

اتر پردیش کے بعد صوبۂ اتراکھنڈ کے مدارس میں یہ حکم نامہ جاری ہوا تھا کہ یہاں کے تمام مدارس میں ہندوستان کے وزیر اعظم نریندر مودی کا فوٹو لگایا جائے۔ وہاں کے ذمہ داران مدارس نے اس حکم کو ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ہمارے ذمہ داران مدارس کو بھی یہی رویہ اختیار کرنا چاہیے تھا، لیکن ہمارے ذمہ داران نے تو حکومت کے ایک ایک حکم کو بسر وچشم قبول کیا، لیکن کب تک؟ وقت رہتے ہوئے اگر ان کے خلاف یک جٹ ہو کر محاذ آرائی نہیں کی گئی، تو وہ دن دور نہیں، جب ہمارے دینی قلعے، اسکول اور ودیالیہ ہو جائیں گے اور حکومت کی طرف سے بدمذہب اور مشرک شخص کا تقرر بطور استاذ کیا جائے گا: الامان والحفیظ

اِصلاحِ عقائد واعمال

بعض اعتقادی اور عملی کمزوریوں کی اصلاح کی ایک مخلصانہ کوشش

از: مفتی منیب الرحمٰن (کراچی)

نقابت وخطابت کی بابت شرعی اصلاح

سٹیج سیکرٹری جسے نقیب محفل کہا جاتا ہے، یہ موجودہ دور کی پیداوار ہے۔ اگر اباحتِ اصلیہ کے تحت کسی کو نقیبِ محفل بنایا بھی جائے تو عالمِ دین یا سنجیدہ، باادب، ذی علم شخص کو مقرر کیا جائے، تاکہ اس کے فائدے پر اس کا نقصان غالب نہ ہو، اور وہ صرف اعلان پر اکتفا کرے۔ غیر عالم کو تو وعظ وبیان کی بھی اجازت نہیں، چہ جائیکہ پوری محفل ہی اس کے رحم وکرم پر چھوڑ دی جائے۔ آج کل نقابت کے موضوع پر کاروباری لوگوں نے کتابیں چھاپی ہوئی ہیں، جنہیں پڑھ کر محض چرب زبان آدمی اچھی خاصی نقابت کر لیتا ہے۔

نقیب کا اصل کام یہ ہے کہ قاری، نعت خواں یا مقرر کو دعوت دے کر مائیک اس کے حوالے کر دے، لیکن یہ نام نہاد نقیب محفل میں نقب لگاتے ہوئے پوری محفل کا آدھا وقت ضائع کر دیتا ہے۔ عام طور پر نقیب محفل ناجائز شعر اور من گھڑت روایات بیان کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ اپنی جہالت کی بنا پر غلط مسئلہ یا عقیدہ بیان کر دیتے ہیں، جس کو ہمارے مخالفین، مسلک اہل سنت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور بعد میں علما کو جواب دینا پڑتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

{اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّي إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَمَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ} (سنن الترمذی: حدیث ۲۹۵۱)

ترجمہ: میری حدیث بیان کرتے وقت سخت احتیاط کرو۔ وہی بات کہو جس کا تمہیں صحیح صحیح علم ہو۔ جس نے میرے بارے میں جان بوجھ کر جھوٹ بولا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے، اور جو قرآن کی تفسیر اپنی ذاتی رائے سے کرے، وہ بھی اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ العزیز ''حدیقہ ندیہ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''عام آدمی کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ایسی بحث کرنا، جس کے نتیجے میں وہ کفر میں گر جائے، بدکاری اور چوری کرنے سے بھی بدتر ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۱۰ص۶۴)

خدا کا خوف رکھنے والے دوستوں سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اگر آپ عالم نہیں ہیں تو یہ ذمہ داری اپنے سر نہ لیں اور ذمہ دار علما سے بھی درخواست ہے کہ اس قسم کے نوجوانوں کو اپنا سمجھ بچہ سمجھتے ہوئے اس کام سے منع فرمائیں اور اپنی محافل میں انہیں زحمت نہ دیا کریں۔ غیر ذمہ داروں کے ہاتھوں میں دی گئی ان محفلوں کو رات گئے تک جاری رکھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے محفل کے اکثر شرکا کی نماز فجر یا کم از کم جماعت فجر ضرور ترک ہو جاتی ہے، جو بلاشبہ خلافِ شرع ہے۔ ان محافل میں نعت خواں حضرات بخشش کے پروانے تقسیم کر رہے ہوتے ہیں۔ بے عملی، بلکہ بدعملی کی ترغیب دیتے ہیں، حالانکہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اعمال کا مدار خاتمے پر ہے۔

حضرت علاء بن زیاد تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
{تُحِبُّونَ اَنْ تُبَشَّرُوا بِالْجَنَّةِ عَلٰى مَسَاوِىٍٔ اَعْمَالِكُمْ وَإِنَّمَا بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا مُبَشِّرًا بِالْجَنَّةِ لِمَنْ اَطَاعَه وَمُنْذِرًا بِالنَّارِ مَنْ عَصَاه} (بخاری قبل حدیث:۴۸۱۵)
ترجمہ: تم لوگ چاہتے ہو کہ برے اعمال پر تمہیں جنت کی خوشخبریاں دی جائیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُس شخص کے لیے جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے، جو ان کی اطاعت کرے، اور اُس شخص کے لیے جہنم کا ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے جو ان کی نافرمانی کرے۔

عقائد نسفی میں ہے {اَلْيَاْسُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى كُفْرٌ وَالْاَمْنُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى كُفْرٌ} (متن عقائد نسفی صفحہ ۸)
یعنی اللہ تعالیٰ (کی رحمت) سے مایوس ہونا بھی کفر ہے اور اللہ تعالیٰ (کے جلال سے اور گرفت پر اُس کی قدرت) سے بے خوف ہو جانا بھی کفر ہے۔

جن محافل میں گناہ گاروں کو بے عملی پر تنبیہ کے بغیر محض ان مجالس میں شرکت کے سبب جنت کی خوش خبریاں سنائی جاتی ہوں، وہاں شیطان کو محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں بتایا گیا ہے کہ رات دیر گئے تک محافل کے انعقاد کی وجہ سے لوگوں کی نمازِ فجر یا جماعتِ فجر فوت ہونے کے اندیشے کی بنا پر ایک مذہبی تنظیم نے اپنے کارکنوں کو پابند کیا ہے کہ وہ اپنے تنظیمی امور لازمی طور پر عشا کی جماعت سے لے کر دو گھنٹے کے اندر اندر مکمل کر کے اپنے گھر جا کر جلدی سونے کی ترکیب بنائیں، نیز محافلِ میلاد کا دورانیہ بھی عشا کی جماعت کے بعد ایک گھنٹہ پچیس منٹ تک ہوگا۔ اگر واقعی ایسا ہے تو ہم اس امر کی تحسین کرتے ہیں اور دیگر جماعتوں سے بھی التجا کرتے ہیں کہ وہ بھی اس شعار کو اپنائیں۔

شفاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وضاحت

ان محافل میں پیشہ ور واعظین، نعت خوانوں، جاہل پیروں اور نقیبوں کی بے اعتدالیوں کے سبب یوں لگتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اُس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بس گناہ گاروں کے ہیں۔ تقویٰ وطہارت کے حاملین کسی کھاتے میں نہیں، جب کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {إِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ} (الحجرات: آیت ۱۳) ترجمہ: بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے عزت والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں رخصت کرنے کے لیے نکلے۔ حضرت معاذ سوار تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدل چلتے ہوئے انہیں وصیت فرما رہے تھے۔ وصیت سے فراغت کے بعد آپ نے فرمایا: معاذ! شاید اس سال کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو، اور شاید تمہارا گزر میری مسجد اور میری قبرِ انور کے پاس ہو۔ (یہ سن کر) حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراق کا غم محسوس کرتے ہوئے زار و قطار روئے، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: میرے سب سے زیادہ قریب اہل تقویٰ ہوں گے، وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔ (مسند احمد: حدیث ۲۲۰۵۲)

بعض واعظین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث {شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ} بیان کر کے لوگوں کو گناہوں پر جری بناتے ہیں اور کہتے ہیں: پتا چلا کہ وہاں کبیرہ گناہ والوں کے مزے ہوں گے، نیکیاں کرنے والوں کو کوئی نہیں پوچھے گا، عِیَاذًا بِاللّٰہ! یہ حدیث کی من پسند تشریح ہے۔ تمام محدثین نے اس حدیث کے تحت خوارج کا رَد کیا ہے، جو کبیرہ گناہ والوں کو شفاعت کا حق دار نہیں مانتے تھے۔

محدثین نے فرمایا: شفاعت سے مکمل محرومی اُن کے لیے ہوگی جو صاحبانِ ایمان نہیں ہوں گے، جن کا آخرت پر یقین نہیں ہوگا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، لیکن جنہوں نے صدقِ دل سے

کلمہ پڑھا ہو، اور اُن کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو، کسی نہ کسی مرحلے میں انہیں شفاعت نصیب ہوگی، خواہ اُن سے کبیرہ گناہوں کا صدور بھی ہوگیا ہو، یعنی وہ دائمی طور پر محرومِ شفاعت نہیں رہیں گے۔

ذرا سوچیے! بعض پیشہ ور واعظین اپنی مارکیٹنگ کے لیے احادیثِ مبارکہ کی کس طرح مَن پسند تاویلات کرتے ہیں اور سامعین کو خوش کرنے کے لیے مَن پسند توجیہات پیش کرتے ہیں، تاکہ نعرے لگیں اور نذرانے ملیں، خواہ دین کا حقیقی تصور مسخ کردیا جائے۔

بعض پیشہ ور واعظین امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ العزیز کا یہ شعر بھی اپنے مَن پسند موقف کے حق میں استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں:

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گُنہ، پرہیز گاری واہ واہ

یہ شعر امام اہل سنت نے ایک خاص کیفیت میں کہا ہے اور ہماری دانست میں اس کا اشارہ کسی خاص خوش نصیب گناہ گار کی طرف ہے۔ امام اہل سنت نے اس کو مسلمانوں کا عام مزاج بنانے کے لیے ارشاد نہیں فرمایا۔ ایک حدیث پاک میں حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اُس آخری جنتی کو جانتا ہوں جو جنت میں داخل ہوگا اور سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا۔ یہ وہ شخص ہوگا جسے قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کے حضور) لایا جائے گا، پھر حکم ہوگا: اس کے چھوٹے گناہ اس پر پیش کرو اور بڑے گناہوں کو پوشیدہ رکھو۔ سو اُس کے چھوٹے گناہ اُس پر پیش کرکے اُس سے پوچھا جائے گا: تم نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام کیے، وہ چارو ناچار اقرار کرے گا: جی، میں نے یہ کام کیے ہیں، کیونکہ اُسے انکار کی مجال نہیں ہوگی اور وہ اپنے بڑے گناہ پیش کیے جانے سے ڈر رہا ہوگا، پھر اُسے کہا جائے گا: ہر گناہ کے بدلے میں تمہارے لیے ایک نیکی ہے، پھر وہ (اللہ کی رحمت کو موجزن دیکھ کر) عرض کرے گا: ربِ کریم! میں نے بہت سے اور گناہ بھی کیے ہیں، جو یہاں نہیں پیش کیے گئے، (راوی بیان کرتے ہیں:) میں نے اس موقع پر دیکھا: حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکرائے، یہاں تک کہ آپ کے اطراف کے دندانِ مبارک بھی نظر آئے۔ (یہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انتہائی مسرّت کی ادا تھی) (صحیح مسلم: حدیث ۵۸۷)

پس آپ نے ملاحظہ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خاص مظاہر ہوں گے، جو خاص خوش نصیبوں کے لیے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے اُس شخص کی کوئی ادا اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی ہو، لیکن خطبائے کرام کو عوام میں شریعت کے عمومی ضابطے بیان کرنے چاہئے۔ خاص احوال اور کیفیات کی حکمتوں کو ہر شخص نہیں سمجھ پاتا اور اُس کے گناہوں پر جری ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ عالم کی ذمے داری ہے کہ لوگوں کو گناہوں پر ابھارنے کی بجائے گناہوں سے بچنے کی تلقین کرے۔

یہ ایسا ہی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے سو اشخاص کو قتل کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی شانِ کریمی سے اُس کی توبہ قبول فرمالی۔ کیا اُس واقعے کو بیان کرکے لوگوں کو قتل پر ابھارا جائے گا کہ عِیَاذًا بِاللّٰہ! پروا نہیں، قتل کرتے چلے جاؤ، آخر میں معافی تو ہو ہی جائے گی، یا یہ بتایا جائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کے فیضان کا ایک خاص واقعہ ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آس لگائے رکھنا اور کبھی بھی مایوس نہ ہونا ایمان کا تقاضا ہے، سو بڑے سے بڑے گناہگار کو بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، جیسا کہ ایک بزرگ ابوسعید ابوالخیر نے کہا:

باز آ باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہِ ما، درگہِ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی، باز آ

ترجمہ: اے گناہگار! تو جو کوئی بھی ہے اللہ کی نافرمانی سے پلٹ آ، خواہ تو کافر یا آتش پرست یا بت پرست ہے، پھر بھی توبہ کر اور رحمتِ باری کی طرف پلٹ آ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے، تو نے اگر سو بار بھی توبہ کرکے پیمانِ وفا کو توڑ دیا ہے، پھر بھی پلٹ آ۔ (باقی صفحہ ۷ پر)



بحث و تحقیق　**آخری قسط**

شیعہ امامیہ اور اصول روایت: عرض و نقد

از: مفتی ازہار احمد امجدی ازہری (فاضل جامع ازہر مصر)

شیعہ امامیہ کی کتب رجال پر گفتگو کرنے کے بعد اب ہم ان کی احادیث پر مشتمل کتابوں کی طرف چلتے ہیں۔ ان کے نزدیک احادیث پر مشتمل چار اہم کتابیں ہیں:

(۱) کتاب الکافی، از: محمد بن یعقوب کلینی (م ۳۲۹ھ)

(۲) کتاب من لا یحضرہ الفقیہ، از: محمد بن علی قمی (م ۳۸۱ھ)

(۳) کتاب تھذیب الاحکام، از: محمد بن حسن طوسی (م ۴۶۰ھ)

(۴) کتاب الاستبصار فیما اختلف من الاخبار، از: محمد بن حسن طوسی۔

شیعہ امامیہ کے یہاں ان کتابوں میں سب سے زیادہ اہم کتاب ''الکافی'' ہے۔ اس کی قدر و منزلت ان کے نزدیک، اہل سنت جماعت کی ''صحیح البخاری'' کی طرح ہے۔ اس کے بارے میں ان کے عالم عبدالحسین موسی نے لکھا ہے: ''الکافی'' سب سے قدیم، سب سے عظیم، سب سے اچھی اور سب میں عمدہ ہے''۔ (المراجعات، ص ۳۴۲) باقی تین کتابوں کی بھی اہمیت ان کے نزدیک ''الکافی'' سے کم نہیں۔ ان کتابوں کے مصنفین شیعہ امامیہ کے نزدیک عالم جلیل، ثقہ اور ائمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۱) الکافی، از: محمد بن یعقوب کلینی

سب سے پہلے ہم شیعہ امامیہ کے امام کلینی (م ۳۲۹ھ) کی لکھی ہوئی کتاب ''الکافی'' کی طرف توجہ مبذول کرتے ہیں۔ اس کے طریقہ کار پر عرض و نقد مندرجہ ذیل سطور میں پیش خدمت ہے:

(۱) کلینی نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں کتاب کا نام مثلاً ''کتاب فضل العلم'' اور باب کا ترجمہ مثلاً '' باب فرض العلم و وجوب طلبہ والحث علیہ'' ذکر کر کے اس کے تحت وہ احادیث رکھی ہے جو ائمہ سے مروی ہیں۔ یہ اس کتاب میں بہت وافر مقدار پائی جاتی ہیں، یا حضور اقدس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث ذکر کیا ہے اور یہ ''الکافی'' میں ائمہ کی احادیث کی بہ نسبت بہت کم ہیں۔

(۲) صاحب کتاب کلینی نے اپنی اس کتاب میں صیغہ ادا مثلا اخبرنا، حدثنا، انبانا وغیرہ سے تقریباً بالکلیہ اعراض کیا اور کہیں کہیں اس کا ذکر کیا ہے، اور عموما اسناد کے رجال کے درمیان لفظ ''عن'' کا استعمال کیا ہے جو اتصال پر دلالت نہیں کرتا، نیز اپنے اور اپنے شیوخ کے درمیان صرف دو لفظ: ''عن' 'اور'' حدثنا '' کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے اور ان دونوں صیغوں کی تکرار بہت نادر ہے۔

اس کی یہ کتاب سولہ ہزار ایک سو ننانوے (۱۶۱۹۹) احادیث پر مشتمل ہے۔ ان احادیث کے درمیان ان دونوں لفظوں کا ذکر فقط دس بیس مرتبہ آیا ہوگا۔ اگر چہ حدیث عنعنہ بعض شروط مثلاً راوی کا اپنے شیخ کے ہم عصر ہونے کی شرط کے ساتھ قابل قبول ہے، مگر جب شیعہ امامیہ کے مصنفینِ کتبِ رجال نے عموماً راویوں کی پیدائش و وفات ذکر کرنے کا التزام ہی نہیں کیا تو کیسے معلوم ہو سکے گا کہ ہر تلمیذ اپنے شیخ کا زمانہ پایا ہے؟ یا کیسے علم ہو سکے گا کہ ہر راوی اپنے سے پہلے راوی کا معاصر رہا ہے؟ یہ ایسی بات ہے جو ایک منصف مزاج انسان کو شیعہ امامیہ کی سب سے عظیم کتاب کی احادیث کے متعلق شک کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، پھر یہ کتاب کیوں کر شیعہ امامیہ کے نزدیک اصح کتب یا اہل سنت کی صحیح

البخاری کی مثل ہوسکتی ہے؟

(۳) مصنف کلینی نے کبھی کبھی سند کو ''عدۃ من اصحابنا'' کے ذریعہ، نام ذکر کیے بغیر شروع کرنے کے بعد باقی سند کو ذکر کیا ہے۔ اگر چہ شیعہ امامیہ کے بعض محققین نے تنبیہ کر کے یہ بیان کر دیا ہے کہ اگر ''عدۃ من اصحابنا'' کا استعمال فلاں راوی مثلاً احمد بن محمد بن عیسیٰ سے ہو تو فلاں، فلاں اور فلاں راوی مراد ہیں، مگر پیچیدگی یہ ہے کہ یہ فلاں، فلاں اور فلاں میں سے تمام راوی ثقہ نہیں، بلکہ بعض ضعیف بھی ہیں، بلکہ ان میں سے بعض کا ترجمہ بھی شیعہ امامیہ کی کتبِ رجال میں نہیں ملتا، پھر کیسے کہنا ممکن ہوگا کہ احمد بن محمد بن عیسیٰ سے روایت کرنے والے فلاں ثقہ ہی مراد ہیں، فلاں ضعیف مراد نہیں ہیں اور جب یہ کہنا ممکن ہی نہیں تو ان کی مرویات پر صحت کا حکم لگانا بھی درست نہیں ہوگا۔ اب ایک منصف مزاج شخص کیسے کہے کہ ''الکافی'' ، صحیح البخاری کے ہم پلہ ہے؟

(۴) کلینی نے حدیث کے راوی کو متعین نہیں کیا ہے، بلکہ فلاں، غیرہ، عن بعض اصحابنا، بعض من العراقیین اور اس کے مثل دوسرے الفاظ استعال کر کے گذرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ چیز بھی ''الکافی'' میں کثرت سے پائی جاتی ہے، جو یقیناً خود شیعہ امامیہ کی شرطِ صحت کے خلاف ہے اور یہ نقص بھی اس کتاب کی اہمیت اور اس کے اعتماد کو مشکوک کرتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

(۵) کلینی نے کبھی حدیث کو سند کے بغیر، لفظ ''رُوِیَ'' کے ذریعہ بھی ذکر کیا ہے، حالانکہ شیعہ امامیہ کے بڑے عالم مامقانی نے کہا ہے کہ لفظ ''روِیَ'' حدیث ضعیف کی علامات میں سے ہے۔

(۶) کلینی نے بعض مقامات پر حدیث کے راوی یعنی امام کا تعین نہیں کیا۔ اس قسم کی حدیث شیعہ امامیہ کے نزدیک ''حدیث مضمر'' کہلاتی ہے۔ چوں کہ ''مضمر'' سے معصوم علیہ السلام کے علاوہ بھی مراد ہوسکتے ہیں، اس لیے اس کو ضعیف کی اقسام سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کے ضعیف ہونے پر خود مامقانی وغیرہ کی صراحت موجود ہے۔ (مقباس الھدایۃ/ مامقانی، ج ا ص ۳۳۳)

(۷) کلینی نے بعض مقامات پر حدیث کو مرفوعاً یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر کے روایت کی ہے۔

(۸) کلینی نے بسا اوقات امیر المؤمنین حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ بعض دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال بھی ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب پینتیس (۳۵) کتب اور فقہی ابواب پر مشتمل ہے۔

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ، از: محمد بن علی قمی

شیعہ امامیہ کے نزدیک محمد بن علی :ابن بابویہ قمی (م ۳۸۱ھ) کی لکھی ہوئی ''من لا یحضرہ الفقیہ'' دوسری اہم کتاب ہے۔ اس پر عرض ونقد مندرجہ ذیل ہے۔

(ا) ابن بابویہ قمی نے اپنی اس کتاب میں احادیث کی اسانید کو احادیث کے ساتھ ذکر کرنے کی بجائے کتاب کے اخیر میں ذکر کیا ہے۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے۔

''میں نے اپنی اس کتاب میں اسانید کو حذف کر دیا ہے۔ اگر چہ اسانید کے فوائد کثیر ہیں، مگر اسانید کے طرق کی کثرت سے بچنے کے لیے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا''۔ (من لا یحضرہ الفقیہ/ قمی، ج ا ص ۳)

(۲) مصنف نے کئی مواقع پر باب کا ترجمہ ذکر کیا، مگر اس کے تحت احادیث ذکر کرنے کی بجائے صرف اپنی رائے اور اپنے والد کے اقوال ذکر کرنے پر اکتفا کیا۔

(۳) اس راوی کی تعیین نہیں کی، جس نے اپنے شیخ سے روایت کی، مثلاً قمی نے بعض مقامات پر کہا: عن فلاں او غیرہ۔

(۴) مجہول صیغہ ''رُوِیَ'' کے ذریعہ دو ہزار پچاس (۲۰۵۰) احادیث روایت کی، اور شیعہ امامیہ اس طرح کی احادیث کو مراسیل سے شمار کرتے ہیں۔

(۵) بعض مقام پر حدیث روایت کرنے والے امام کا نام ذکر نہیں کیا، یا ان کا نام تو ذکر کیا، مگر جس نے ان سے روایت کیا، ان کا نام نہیں ذکر کیا۔ اس کتاب کے بعض مطعون راویوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔ اس سے کتاب کی ثقاہت پر حرف آتا ہے۔

(الف) عبدالرحمٰن بن کثیر ہاشمی: نجاشی نے اس راوی کے بارے میں لکھا: یہ ضعیف تھے، ہمارے اصحاب کہتے ہیں: یہ راوی حدیث گڑھتے تھے۔ (الرجال رنجاشی، ج ۲ ص ۴۴)

(ب) عمرو بن جمیع ازدی ابوعثمان بصری: نجاشی نے اس کے بارے میں کہا: یہ راوی ضعیف ہے۔ (الرجال رنجاشی، ج ۲ ص ۱۳۴) اسی طرح اہل سنت و جماعت کے نزدیک یہ راوی کذب اور وضع حدیث وغیرہ عیوب سے مطعون ہے۔ تفصیل کے لیے ''میزان الاعتدال رذہبی'' اور ''الکامل رابن عدی'' وغیرہ دیکھئے۔

(ج) وہب بن وہب ابوبختری قاضی: شیعہ امامیہ اور اہل سنت و جماعت کا اس راوی کے ضعیف و کذاب ہونے پر اتفاق ہے (الفہر ست رطوسی، ص ۱۷۳- الرجال رنجاشی، ج ۲ ص ۳۹۱- الجرح والتعدیل رابن ابی حاتم، ج ۹ ص ۲۶)

مذکورہ بالا راویوں کے علاوہ بہت سارے مجہول راویوں کو اس کتاب کے مصنف نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ شیعہ امامیہ کی احادیث پر مشتمل اس دوسری اہم اور مرجع کی حیثیت رکھنے والی کتاب کا یہ حال ہے کہ اس میں کثرت سے ایسے راویوں سے حدیث لی گئی ہے جو ضعیف، وضاع، کذاب اور مجہول ہیں۔

(۳) تہذیب الاحکام فی شرح المقنعۃ للشیخ المفید

''تہذیب الاحکام فی شرح المقنعۃ للشیخ المفید'' محمد بن حسن طوسی (م ۴۶۰ھ) کی تصنیف ہے۔ شیعہ امامیہ کے نزدیک تیسری اہم اور مرجع کی حیثیت رکھنے والی ''طوسی'' کی لکھی ہوئی کتاب ''تہذیب الاحکام فی شرح المقنعۃ للشیخ المفید'' ہے۔ اس کے متعلق عرض و نقد مندرجہ ذیل سطور میں نظر قارئین ہے:

(۱) یہ کتاب کتب و ابواب فقہیہ کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہے۔ شیعہ امامیہ کے یہاں نصوص میں کثرت سے تعارض ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان مصنف نے توفیق و تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔

(۲) صاحب کتاب طوسی نے اس کتاب میں جن باتوں کے التزام کا دعویٰ کیا تھا، ان کو پورا نہیں کیا۔

(۳) مصنف طوسی نے اپنی اس کتاب میں بہت سارے مجہول راویوں کو جگہ دے کر ان سے احادیث روایت کی ہے۔

(۴) مصنف طوسی نے اپنی اس کتاب میں بہت سارے ضعیف اور متہم بالکذب رایوں سے احادیث روایت کی ہے۔ بعض کے اسما ملاحظہ فرمائیں:

(الف) سہل بن زیاد آدمی ابوسعید رازی: طوسی نے خود اس کو ضعیف قرار دیا ہے، نیز احمد بن عیسیٰ نے اس راوی کے بارے میں غلو اور کذب کی شہادت دی ہے۔ (الرجال رنجاشی، ج ۱ ص ۴۱۷)

(ب) ابراہیم بن اسحاق احمری: خود مصنف طوسی نے اس راوی کو ضعیف قرار دینے کے باوجود انہیں اپنی کتاب میں جگہ دی۔ (الفہر ست رطوسی، ص ۷)

(ج) محمد بن عبداللہ ابوالفضل شیبانی: نجاشی نے اس راوی کے بارے میں لکھا: ابتداءً روایت کرنے میں ثابت قدم تھے، پھر اختلاط ہوگیا، اور ہمارے اکثر اصحاب انہیں ضعیف قرار دیتے تھے۔ (الرجال رنجاشی، ج ۲ ص ۳۲۱)

شیعہ امامیہ کے نزدیک تیسری مرجع کی حیثیت رکھنے والی یہ کتاب بھی ضعیف، متہم بالکذب اور کثیر تعداد میں مجہول راویوں سے محفوظ نہیں رہ سکی۔

(۵) بہت سارے مقامات پر طوسی نے امام کے نام کی تعیین کیے بغیر روایت کی ہے۔

(۶) صیغۂ تمریض (رُوِیَ) کے ذریعہ بھی طوسی نے اپنی اس کتاب میں احادیث روایت کی ہے۔

(۴) کتاب الاستبصار فیما اختلف من الاخبار

''کتاب الاستبصار فیما اختلف من الاخبار'' محمد بن حسن طوسی (م ۴۶۰ھ) کی تصنیف ہے۔ شیعہ امامیہ کی یہ چوتھی کتاب ہے، جو ان کے نزدیک اصل مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض لوگوں کے مطالبہ کی وجہ سے طوسی نے اس کتاب میں کچھ حذف و اضافہ کے

ساتھ سابق کتاب ''تہذیب الاحکام'' کی تلخیص پیش کی ہے۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک علم حدیث، علم رجال اور کتب احادیث پر اس تفصیلی گفتگو سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آئے:

(۱) شیعہ امامیہ نے ہمارے سامنے علوم حدیث میں کوئی نئی چیز نہیں پیش کی۔ ہاں، ان کے معتقدات کے اعتبار سے کچھ چیزیں ہیں جو جدید ہیں (۲) شیعہ امامیہ کی فقہ بہت زیادہ چھان بین کی محتاج ہے، کیوں کہ اس کی بنیاد بہت سی ایسی احادیث پر ہے جن کی اسانید کذاب، وضاع اور مجاہیل راویوں پر مشتمل ہیں (۳) ان کے نزدیک تشریع کا مصدر ثانی یعنی احادیث مبارکہ نظر ثانی کا محتاج ہے، کیوں کہ وہ مصدر ثانی بننے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا، اس لیے کہ اس میں کذاب، وضاع اور مجاہیل راویوں پر اعتماد کیا گیا ہے۔ (۴) شیعہ امامیہ کے عقائد اور دین اسلام کے درمیان بہت تعارض وتضاد ہے، جیسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا نازل ہونا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تکفیر کرنا وغیرہ (۵) اہل سنت اور شیعہ امامیہ کے درمیان اتفاق اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ شیعہ امامیہ اپنے عقائد سے دست بردار ہوکر توبہ کرلیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دینا چھوڑ دیں (۶) علم جرح وتعدیل، فن رجال میں گفتگو کرنے کے لیے ستون کی حیثیت رکھتا ہے، اور اسی میں یہ لوگ حد درجہ کمزور ہیں (۷) فن جرح وتعدیل میں ان کی بنیادی کتابیں (۱) الرجال رکشی، (۲) الرجال رنجاشی اور (۳، ۴) الرجال و الفھرست رطوسی علمی بنیادوں پر قائم نہیں، کیوں کہ ان کی یہ کتابیں رجال کی پیدائش ووفات کے ذکر کرنے کا اہتمام نہیں کرتیں، نیز متن پر مشتمل چاروں کتابوں کے راویوں کا احاطہ بھی نہیں کرتیں۔

راقم الحروف نے جامعہ ازہر شریف، مصر میں دراسات علیا (ایم اے) کی تعلیم کے دوران: ''اصول الروایۃ عند الشیعۃ رڈاکٹر عمر عبد المنعم فرماوی'' پڑھی تھی۔ اگر چہ راقم الحروف کو مصنف کی ہر بات سے اتفاق نہیں، مگر چوں کہ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد اور مجموعی اعتبار سے عمدہ کتاب ہے، اس لیے میں نے اس کی تلخیص علما وطلبہ اور علوم وفنون کا شوق رکھنے والے عوام کے درمیان پیش کرنا مناسب سمجھا، تا کہ انہیں اہل تشیع کے اصول روایت کے متعلق قواعد وضوابط معلوم ہوجائیں اور وہ رجال ومتون پر ان کی تالیف کردہ کتابوں کی حیثیت سے آگاہ ہوجائیں اور کبھی ایسے لوگوں سے سامنا ہوتو ان سے دلائل وبراہین سے مزین ہوکر گفتگو کریں، نیز ان کی کتابوں سے احادیث بیان کرنے یا ان سے استدلال کرنے سے احتراز کریں: اللّٰہم وفقنا جمیعًا، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الی یوم الدین ☆☆☆

(باقی ص ۳۲ کا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے محیط زمین کا علم ماننے کو شرک قرار دیا، اور ابلیس لعین کے لیے محیط زمین کا علم نص سے ثابت مانا۔

۳- مولوی اشرف علی تھانوی نے ''حفظ الایمان'' میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کو جانوروں، پاگلوں، بچوں وغیرہ رذیل چیزوں کے علم سے تشبیہ دی۔

۴- مذکورہ اشخاص کے ان اقوال کی وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی، اور علمائے حرمین شریفین نے اس تکفیر کی تصدیق کی۔ میں بھی اپنے علم ویقین کی بنیاد پر مرزا غلام احمد قادیانی، مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی اشرف علی تھانوی کو کافر مانتا ہوں اور جو شخص ان کے اقوال وعقائد سے پوری طرح باخبر ہوکر بھی انہیں اپنا پیشوا مانتا ہے، یا مسلمان جانتا ہے، اسے بھی میں کافر مانتا ہوں۔

۵- میں قادیانی، رافضی، غیر مقلد، دیوبندی وغیرہ تمام بے دینوں، بدمذہبوں سے بیزار ہوں، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز مانتا ہوں اور جو شخص ان کی حالت جانتے ہوئے ان کی اقتدا کو درست بتاتا ہو، اسے بھی میں انھیں کی طرح جانتا ہوں اور اس سے بری وبیزار ہوں۔

۶- میرا اعتقاد وعمل اگر میرے اس عہد واقرار کے خلاف ثابت ہوتو میں اہل سنت سے خارج ہوں، اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی کسی سند کا مستحق نہیں ہوں۔ اگر سند حاصل ہونے کے بعد میری مخالفت ظاہر ہوتو میری سند مسترد ہوگی۔ (ماہنامہ اشرفیہ: نومبر ۲۰۱۳ء ص ۶)

حقوق انسانی اور مذہب اسلام

مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی
ambermisbahi@gmail.com

جیسا دوسرے مذاہب کے متعلق عام تصور ہے کہ مذہب ایک ہفتہ واری عمل ہے، اور اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ زندگی گزارنے کے طور طریقوں میں اس سے کوئی مدد نہیں مل سکتی ہے، اس طرح کی فکر اسلام کے متعلق نہیں رکھی جا سکتی ہے، کیوں کہ اسلام کا انسان سے رشتہ صرف ایک مذہب یا نماز، روزہ تک محدود نہیں، بلکہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے جس کے اصول وضابطے انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہیں۔ حقوق انسانی کی پاس داری اہم اِنسانی، سماجی اور بین الاقوامی ضرورت ہے، جس کا عالمی امن وشانتی اور مذہبی وسماجی زندگی سے ایک گہرا رشتہ ہے، اس لیے اسلام اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حقوق انسانی کے فروغ اور اس کے نفاذ پہ خوب توجہ دی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کے اس پہلو کو درج ذیل سطروں سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

(۱) احترام انسانیت کے ساتھ زندگی کی ضمانت

Right to Life with Human Dignity

تمام بنیادی حقوق کا ایک اجمالی خلاصہ ہے۔ اُس وقت جب کہ انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں تھی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے لائے ہوئے صحیفے قرآن مقدس نے ''قانون قصاص'' کی شکل میں ایک ایسا ضابطہ پیش کیا جو ہر عام وخاص پر لاگو ہوتا ہے، اور یہ رائٹ ٹو لائف کی ضمانت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے اور آج جب کہ ہر طرف بنیادی حقوق اور حق مساوات کا شور برپا ہے، اصل الاصول بنیادی حقوق کی پامالی کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ پوری دنیا میں قتل وقتال کا ایک بازار گرم ہے، استعماری اور استبدادی طاقتوں کے ذریعے یومیہ ہزاروں آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے جاتے ہیں، جس پر عالمی رہنما اور عالمی ذرائع ابلاغ مجرمانہ خاموشی کا ماحول بنائے رہتے ہیں، اور دوسری طرف منہ پھٹ بولنے والوں کے لیے ''بے لگام آزادی'' کی تحریک چلاتے نظر آتے ہیں۔ انسانی جان کی قیمت کا تعین کرنے سے پہلے یہ لیڈران اور میڈیا اس کی ذات، نسل، رنگ اور اس کا مذہب دیکھتے ہیں، جب کہ اسلام کی نظر میں انسانی جان کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۳۲ میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ ایک جان کو بچانا پوری انسانیت کی حفاظت کی مثل ہے، اور ایک جان کو ناحق مارنا پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے۔ اور سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۷۹ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انسانی جان کی قیمت قاتل کی جان ہے۔ ارشاد جل وعلا ہے:

''اور خون کا بدلہ لینے میں تمھاری زندگی ہے، اے عقل مندو کہ تم کہیں بچو۔''

یہ امن کی ایک ایسی ضمانت ہے جس میں رائٹ ٹو لائف کے ساتھ عالمی امن کا راز بھی پنہاں ہے۔

رائٹ ٹو لائف کی ضمانت کے نفاذ میں حکمراں اور منصفوں کے سامنے کبھی اپنائیت اور رشتہ داری حائل ہوجاتی ہے۔ اس صورت حال سے نکلنے کے لیے سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۳۵ میں قرآن کا واضح ارشاد ہے:

''اے ایمان والو! اللہ کے گواہ بنتے ہوئے عدل پر خوب قائم ہوجاؤ، اگر چہ انصاف کرنے میں تمھارا یا تمھارے ماں باپ یا تمھارے رشتہ داروں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ انصاف کا حق دار

غریب ہو یا مال دار، اللہ کو اس پر سب سے زیادہ اختیار حاصل ہے۔ انصاف کرتے وقت خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔ اگر تم ہیر پھیر کرو اور حق سے انحراف کرو تو (خوب یاد رکھو کہ) اللہ تمھارے اعمال کی خبر رکھتا ہے''۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے مذاہب یا نسل کے لوگوں کو رائٹ ٹو لائف کی ضمانت دیتے وقت حکمرانواں کے سامنے مذہبی اور نسلی تعصب آڑے آجاتا ہے جیسا آج کل عام مشاہدہ ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کا واضح ارشاد ہے:

''اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے، اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے''۔ (سورۂ مائدہ: ۸)

ہزاروں لوگ ذلت کی وجہ سے موت کو گلے لگا لیتے ہیں، اس لیے صرف زندگی کی ضمانت ہی کافی نہیں ہے، بلکہ انسانیت بھری زندگی کی ضمانت ضروری ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی بھی ضمانت دی ہے۔ مسلم تو مسلم غیر مسلموں کی عزت و وقار کی ضمانت دی گئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''جو کسی معاہد (اسلامی سلطنت میں رہنے والے غیر مسلم) پہ ظلم کرے، یا اس کی تنقیص کرے، یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے، یا اس کی خوشی کے بغیر اس کے مال سے کچھ لے لے تو کل بروز قیامت میں (اس مسلمان کے خلاف) اس غیر مسلم کا وکیل بنوں گا''۔ (سنن ابی داؤد: الحدیث ۳۰۵۴ باب فی تعشیر اھل الذمۃ اذا اختلفو فی التجارۃ - سنن البیہقی: الحدیث ۱۹۲۰۱ باب لا یأ خذ المسلمون من ثمار أھل الذمۃ ولا أموالھم شیئا بغیر أمرھم)

ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑی اور کوئی سزا نہیں ہو سکتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے خلاف گواہی دیں، اور اس کے لیے سزا کی سفارش کریں۔ یہ اس وقت ہے جب وہ کسی وجہ سے دنیا میں سزا سے بچ جائے۔ جرم ثابت ہونے پر دنیا میں اسے قاضی اسلام (جج) اسلامی قانون کے مطابق سزا سنائے گا، جس میں راشٹر پتی یا وزیر اعظم یا خلیفہ کی سفارش کارگر نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی سرحد کے اندر رہنے والے غیر مسلموں کی عزت کی گارنٹی کے لیے یہ قانون سنایا گیا ہے:

''کوئی مسلمان کسی ذمی کو گالی دے تو اس کو سزا دی جائے، کیوں کہ اس نے گناہ کیا''۔ (فتح القدیر، فصل فی التعزیر)

(۲) تشدد سے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت

Right to Protection from Violence

رائٹ ٹو لائف کے بعد اس انسانی حق کو اہم مقام حاصل ہے، بلکہ یہ بھی اسی کا ایک جز ہے، کیوں کہ اگر انسان میں جان و مال اور عزت و آبرو کے عدم تحفظ کا احساس رہے گا تو سارے بنیادی حقوق کی ضمانت معدوم ہو کر رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرتے ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ اور اس کے آس پاس مقیم قبائل اور یہودیوں سے امن معاہدہ کیا، جس میں انھیں بھی رائٹ ٹو لائف کے ساتھ تشدد سے تحفظ کی ضمانت دی گئی تھی۔ اسلام مسلمانوں پر تو زکوۃ واجب کرتا ہے، مگر غیر مسلموں پر نہیں۔ البتہ تحفظ کی ضمانت کے عوض انھیں معمولی رقم ادا کرنے کا حکم دیتا ہے جسے جزیہ کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں تقریباً ایک ہزار سالہ مسلم دور حکومت میں غیر مسلموں کے خلاف مذہب، نسل یا ذات کی بنیاد پر تشدد کا کوئی وجود نہیں ملتا ہے، ورنہ انگریزوں کی طرح ۹۰ رسالوں میں یہ اقلیتی حکومت بھی ہمیشہ ہمیش کے لیے اکھاڑ کر پھینک دی جاتی، اور مسلم حکمرانوں کے خلاف اپنے مذہب سے جنون کی حد تک پیار رکھنے والے غیر مسلموں کی متحدہ جدوجہد کی ایک طویل تاریخ ضرور ہوتی۔

(۳) عقیدہ کی آزادی

Freedom to Conscience/Religion

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سرحد کے اندر رہنے والے ہر شخص کے لیے عقیدے کی آزادی کا پروانہ دیا ہے۔ غیر مسلم کے لیے رب تعالیٰ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۶ میں واضح انداز میں عقیدے کی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

''دین میں کوئی زبردستی نہیں، حق باطل سے خوب واضح ہوگیا، تو جو شیطان کا انکار کرے، اور اللہ پہ ایمان لائے اس نے مضبوط گرہ پکڑی جو کھلنے کی نہیں اور اللہ سننے جاننے والا ہے''۔

اس آیت میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ زور زبردستی اور خوف یا لالچ کا ایمان و اسلام اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوگا اور نہ ہی ایسا کرنا صحیح ہے۔ اس کے عملی ثبوت کے لیے ہندوستان کی تاریخ ہی کافی ہے۔ اگر ایک ہزار سال تک مسلم حکومت کی نگرانی میں تلوار کے زور پر مسلمان بنانے کی مہم چلائی جاتی تو (۱) یا تو آٹے میں نمک برابر مسلمانوں کی حکومت اتنی لمبی مدت تک نہیں چلتی (۲) یا پھر سارے ہندو سرکاری جبر تلے مسلمان بننے (۳) یا جان دینے پر مجبور ہو جاتے، مگر ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ (۱) مسلمانوں کی حکومت بھی انگریزوں کی ریشہ دوانی اور اندرونی غداروں کی وجہ سے ختم ہوئی، ہندوؤں کی متحدہ مسلح بغاوت سے نہیں۔ (۲) نہ ہر بھارتی مسلمان ہے اور (۳) نہ ہندوؤں کی تعداد ۸۰ رفی صد سے کم ہے۔ ہر ذی ہوش اس سے نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مسلم حکمرانوں نے زور زبردستی اور تلوار سے اسلام پھیلایا ہے، یا امن و شانتی سے حکومت کی ہے؟

(۴) مذہبی معاملات کی آزادی

Freedom to Practise Religion

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر عمل کی مکمل آزادی دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی سلطنت میں رہنے والے غیر مسلم شادی بیاہ، عبادت، کھانے پینے، مذہبی معاملات کی ادائیگی وغیرہ میں مکمل آزاد ہیں۔ ان پر اسلامی اَحکام جاری نہیں۔ خنزیر و شراب کھانے پینے، بت، سورج، آگ اور تصویروں کی پوجا سے انھیں زبردستی روکنے کا حق اسلامی حکومت کو حاصل نہیں ہے۔ البتہ! جس چیز کی اسلام اجازت نہیں دیتا، اس چیز کی خرید بیچ وہ مسلمانوں کے ساتھ نہیں کر سکتے ہیں۔ اسلامی سلطنت مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والے غیر مسلموں کے معاملات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی طرح کی دخل اندازی نہ کی، اور نہ ہی اس کے لیے کوئی اشارہ دیا یہی وجہ ہے کہ ہر مسلم حکومت میں غیر مسلم شادی بیاہ، عبادت، کھانے پینے، مذہبی معاملات کی ادائیگی وغیرہ میں مکمل آزاد رہے ہیں، اور آج بھی اکثر مسلم ممالک میں انھیں یہ مذہبی آزادی حاصل ہے، ان کے اوپر اسلامی اَحکام جاری نہیں ہیں۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو یہاں ایک ہزار سال تک حکومت کرنے والے مسلم حکمرانوں نے مذہبی معاملات پر عمل کرنے کی آزادی دینے کی انوکھی مثال قائم کی ہے۔ تاریخ کا کوئی بھی صفحہ یہ ثابت نہیں کر سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماننے والے حکمرانوں نے ہندوستان کی محکوم قوم کے دینی اور مذہبی معاملات میں کسی طرح بھی مداخلت کی ہے۔ آج کے عالمی حکمراں تاریخ کے اس درخشاں باب سے کچھ سیکھنے کی کوشش کریں۔

(۵) مساوات کی ضمانت Right to Equality

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں ہر انسان برابر ہے۔ نسل، رنگ، قوم، ذات اور زبان وغیرہ کی بنیاد پر کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں ہے۔ مسند احمد شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی لال رنگ والے کو کالے رنگ والے پر یا کسی کالے رنگ

والے کو کسی لال رنگ والے پر کوئی برتری نہیں۔ برتری کی وجہ
صرف اور صرف تقویٰ اور خوف خدا ہے۔ سننے والو! دوسروں
تک یہ پیغام پہنچادو"۔

اور اس حکم میں خلیفہ، صدر اور وزیراعظم تک برابر ہیں۔ انھیں بھی کوئی خاص قانونی استثنا حاصل نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں بطور شہری بادشاہ اور مہتر دونوں برابر ہیں، صرف تقویٰ ہی انھیں ممتاز کرسکتی ہے۔ اس کا عملی نمونہ حج کے موقع پر اور یومیہ کم از کم پانچ مرتبہ مسجد میں نظر آتا ہے جب ایک غریب انسان بھی بادشاہ اور صدر جمہوریہ کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا نظر آتا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا، نہ کوئی بندہ نواز

(۲) انصاف کی ضمانت Right to Justice

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا اہم درخشاں پہلو جو سب سے زیادہ نمایاں ہے، وہ عدل و انصاف ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عدالت اور ان کے انصاف کا معیار کتنا بلند اور غیر جانب دار تھا، وہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک مخزومی عورت پہ چوری کا الزام لگا تو اس کے قبیلہ والوں نے حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سفارش کروائی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری بیٹی بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ بھی کاٹے جاتے۔

انصاف کی راہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کسی کا رنگ، مذہب یا قبیلہ حائل نہ ہوسکا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی اور ایک کلمہ گو مسلمان مقدمہ لے کر آئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہودی حق پر ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے حق میں فیصلہ فرمادیا، وہ کلمہ گو اس فیصلے کو ماننے سے منکر ہوا، اور یہودی کو نئے سرے سے فیصلے کے لیے حضرت عمر کے پاس لے گیا؛ حضرت عمر کو جب یہ خبر ہوئی کہ یہ مقدمہ پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جا چکا ہے اور یہودی کے حق میں فیصلہ ہو چکا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلے سے منکر ہونے کی وجہ سے مرتد ہو چکے کلمہ گو کو قتل کردیا۔ اللہ جل شانہ نے حضرت عمر کے موقف کی تصدیق میں سورۂ نساء آیت نمبر ۶۵ نازل فرمائی۔ اس آیت نے "انصاف سب کے لیے" کی فکر کو جلا اور قوت بخشی، اور ارتداد و سازش کرنے والوں کی سزا بھی بیان کردی۔

یہ تو انسانی حقوق کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کردار ہے۔ اسلام کی نظر میں تو جانور اور پیڑ پودوں تک کے حقوق بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ امام بیہقی نے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق کا یہ طریقہ نقل کیا ہے کہ جب کسی فوجی دستہ کو جنگ پہ بھیجتے تو انھیں دشمن کی جان و مال اور ان کے علاقوں سے متعلق یہ نصیحت فرماتے:

(۱) عورت (۲) بچے اور (۳) بوڑھے کو قتل نہ کرنا (۴) کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا (۵) کسی بستی کو آگ نہ لگانا (۶) بکریوں اور اونٹوں کو صرف کھانے کے لیے ذبح کرنا (۷) کھیتوں اور باغوں کو برباد نہ کرنا (۸) اور نہ انھیں آگ لگانا (۹) کسی کو دھوکہ نہ دینا (۱۰) بزدلی نہ دکھانا۔

ہے دنیا کا کوئی مذہب یا ملک جو اپنے قانون میں یہ الفاظ اور جملے دکھا سکے؟ آج کی دنیا میں جرائم کے بڑھتے ہوئے رجحان کا جائزہ لیں تو یہ محسوس ہوگا کہ جرائم کے پس پشت بنیادی حقوق کی پامالی کا سب سے اہم کردار ہے۔ اس لیے اسلامی خطوط پر قائم ہونے والے معاشرے کی امن پسندی کا موجودہ دنیا کے حالات سے موازنہ ممکن نہیں ہے۔ عالمی رہنماؤں سے ہماری گذارش ہے کہ لفاظی کی جگہ عملی اقدام کریں، تاکہ کسی کو بھی بنیادی حقوق سے محرومی کی وجہ سے قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی نوبت نہ آئے۔



جو اپنوں کا نہیں، وہ ہمارا کیسے؟

از: مولانا حسان المصطفیٰ قادری امجدی، جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

دلت تو بیدار ہو گئے، ہم کب بیدار ہوں گے؟

پونہ (مہاراشٹر) سے 16: میل دور جانب مشرق میں ''کورے گاؤں'' ایک مشہور گاؤں ہے۔ پونہ کے اس علاقہ میں، دلتوں پر برہمنوں کے جبر وتشدد کے ساتھ نئے سال کا آغاز ہوا۔ انگریزوں کے دور حکومت میں پونہ اور اس کے قرب وجوار کے علاقوں میں حکمرانوں کو پیشوا کہا جاتا تھا۔ سب پیشوا برہمن تھے۔ ایک پیشوا، باجی راؤ دوم نے انگریزی حکومت کو سالانہ خراج دینے سے انکار کر دیا، جس کے نتیجہ میں فرنگی حکومت نے اس پیشوا کو سخت سزا دینے کا فیصلہ کیا۔

جنگ کے لیے تیاریاں ہوئیں، آٹھ سو سپاہیوں کا انتخاب کیا گیا، جن میں سے پانچ سو شودر تھے۔ انگریزوں نے پہلے ہی شودروں کو برابری کا درجہ دیتے ہوئے اپنی فوج میں شامل کر لیا تھا، حالانکہ برہمن، شودروں کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ انہیں فوج میں شامل کیا جائے۔ برہمنوں کا نظریہ تھا کہ شودروں کی تخلیق ہی گھٹیا کاموں کو کرنے اور اونچی ذات والوں کی خدمت انجام دینے کے لیے ہوئی ہے۔ یکم جنوری ۱۸۱۸ء کو برہمنوں کی 28: تا30: ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج سے آٹھ سو سپاہیوں کا مقابلہ ہوا، جس میں باجی راؤ دوم نے شکست کھا کر 2000: فوجیوں کے ساتھ راہ فرار اختیار کی۔

تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ برسوں سے دبائی جانے والی قوم شودر نے، قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود برہمنوں کے ایک بڑے لشکر کو شکست دی تھی۔ یہ برہمنی نظام کے اعتبار سے ایک گھٹیا سمجھی جانے والی قوم کی فتح تھی، وہ بھی ایک ایسی قوم پر، جو خود کو سب سے برتر واعلیٰ سمجھتی تھی۔ جن کا تصور تھا کہ یہ قوم حکومت اور راج ہی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ شودر اس یادگار فتح کو باقی رکھنے کے لیے ہر سال یکم جنوری کو کورے گاؤں میں جمع ہو کر اپنی فتح وکامرانی کا جشن مناتے ہیں۔ اس سال جنوری ۲۰۱۸ء میں اس فتح کے دو سو سال مکمل ہوئے، جس کی وجہ سے تقریباً تین لاکھ دلت اکھٹے ہو گئے تھے۔

بی جے پی کی حکومت میں ہندو وادی تنظیمیں اور برہمن قوم جو کھلے سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دی گئی ہے، ان لوگوں سے دلتوں کا جشن مناتا ہوا جم غفیر اور ان کا اتحاد دیکھا نہ گیا۔ ان لوگوں نے جوش غضب میں آکر ان کے مجمع پر پتھراؤ شروع کر دیا، جس سے بھگدڑ مچ گئی اور پھر تشدد واحتجاج کا ایک سلسلہ چل پڑا۔

برہمنی نظام میں بنیادی طور پر چار ذات پائی جاتی ہے: (۱) برہمن (۲) کھشتری (۳) ویش (۴) شودر۔ ان میں سب سے اعلیٰ درجہ برہمن کو دیا جاتا ہے اور سب سے گھٹیا قوم شودر سمجھی جاتی ہے۔ آج بھی برہمنی نظام میں سب سے ذلیل اور محروم طبقہ شودر ہی تصور کیا جاتا ہے۔ شودر کو دلت بھی کہا جاتا ہے۔ ابتدائی مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندومت میں برہمنوں نے اپنا خود ساختہ نظام شامل کر دیا ہے، جسے مذہب کا رنگ وروپ دیدیا گیا ہے۔ اب شودر قوم برہمنی نظام سے بغاوت پر آمادہ ہو چکی ہے، اور خود کو ہندو بھی نہیں تسلیم کرتی۔

دلتوں پر برہمنوں کے مظالم کی داستان بڑی طویل اور درد انگیز ہے۔ بھیم راؤ امبیڈکر کی کتاب ''شودر کون تھے؟'' اور جیوتی با پھولے کی کتاب ''غلام گیری'' میں تفصیل کے ساتھ دلتوں پر برہمنی

مظالم کا بیان ہے۔ان کتابوں کے مطالعہ سے برہمنوں کی حقیقت خوب واضح ہوجاتی ہے، کہ یہ کس قدر ظلم وستم کے عادی اور قیادت کے حریص تھے۔ دلتوں کو اچھوت اور ذلیل ورذیل سمجھتے تھے۔ان پر بے انتہا ظلم وستم ڈھاتے تھے۔تشدد اور درندگی کو اپنا ذاتی حق سمجھتے تھے۔دلتوں کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ ایسی بستیوں میں رہیں جہاں اونچی ذات کے لوگ رہا کرتے تھے۔ان کی بستیاں برہمنوں کی آبادیوں سے دور ہوتی تھیں۔

ہاتھ ملانا تو دور، اگر ان کے جسم کا کوئی حصہ برہمن کے جسم سے ٹچ ہوجاتا، تو اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں، حتی کہ اگر ان کا سایہ بھی کسی برہمن پر پڑجاتا، تو وہ فوراً نہا کر اپنے جسم کو شودر کی نجاست سے پاک کرتا تھا۔اگر نچلی ذات کا کوئی شخص ان کے وید کے شلوک سن لیتا، تو اس کے کانوں میں سیسہ گرم کرکے ڈالا جاتا تھا۔انہیں برہمنوں کے کنویں سے پانی لینے کی اجازت نہ تھی ۔ یہ لوگ برہمنوں کے ساتھ کھانے ، پینے ، اٹھنے ، بیٹھنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے ۔ یہ کسی ایسی ندی پر نہا نہیں سکتے تھے، جہاں کوئی برہمن نہا ، دھو رہا ہو۔ان کے نہانے کے دوران اگر کوئی برہمن آجاتا تو انہیں اس جگہ سے اتنی دور جانا ہوتا، جہاں سے شودر کے پانی کی حرکت اور بہاؤ برہمن تک نہ پہنچ سکے۔اگر برہمن کو ایسا احساس بھی ہوتا کہ پانی کی حرکت اس تک پہنچ رہی ہے، تو وہ فورا انتقامی کاروائی کرتے ہوئے شودر کے سر کو پھوڑ دیتا تھا۔دلتوں پر ہر طرح کے ظلم وستم، تشدد وبربریت برہمنوں کے لیے نہ صرف جائز تھا، بلکہ پیدائشی حق سمجھا جاتا تھا۔

آج بھی برہمن دلتوں کو ذلیل وخوار اور قابل نفرت سمجھتے ہیں ۔ برہمن کسی شودر کو کسی بڑے مرتبہ اور عہدہ پر ہرگز دیکھنا نہیں چاہتے ، لیکن اب وہ دن لد گئے ، جب شودر قوم اپنی ہر تکلیف ومصیبت پر صبر کیا کرتی تھی ۔ ہر ستم کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرلیا کرتی تھی۔اب یہ قوم جاگ چکی ہے۔ یہ قوم اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ یہ لوگ اگرچہ بکھرے ہوئے ہیں ،لیکن بات جب قوم کی ہوتی ہے، عزت نفس کی ہوتی ہے تو بالکل متحد ہوکر ایک پلیٹ فارم پر نظر آتے ہیں۔

کورے گاؤں کے تشدد کے جواب میں دلتوں نے ریاست گیر سطح پر بند کا اعلان کیا تھا۔ان کے ایک اعلان پر پوار مہاراشٹر بند کردیا گیا، جسے دیکھ کر حکومت حیرت زدہ اور دنگ رہ گئی تھی۔اب حکومت کو بھی دلتوں کے احتجاج اور ان کی آواز متاثر کن محسوس ہو رہی ہے، جسے دبانے کے لیے یہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔مختلف ریاستوں اور علاقوں سے باہم متحد ہوکر یہ دلت اور پسماندہ قوم حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہے اور اپنی بات منوانے کا جگر بھی رکھتی ہے۔ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ ہندوستان کی سیاست کا مستقبل اب ان سے جڑ چکا ہے۔

غرض تحریر یہ ہے کہ جب ہندو اپنے ہم مذہبوں کا نہیں ہوسکتا ،تو جسے وہ اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہے ، جسے حملہ آور، قابض اور غیر ملکی تصور کرتا ہے، اس کا حامی ومددگار اور معاون کیسے ہوسکتا ہے؟ جس قوم کو ہمہ دم پاکستان چلے جانے کی دھمکیاں دیتا رہا ہے، اس کے لیے مخلص اور خیر خواہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم کیوں ان سے امید وفا رکھیں، جن کو آتا نہیں وفا کرنا۔حکومت کسی کی ہو، کرسی اقتدار پر کوئی بھی پارٹی براجمان ہو، سب کی فکر یکساں ہے ۔سبھی ہمارے لیے ضرر رساں اور ہماری پستی کے خواہاں ہیں۔بس فرق ہے تو اتنا کہ کچھ لوگ اپنی عداوت کا کھل کر اظہار کرتے ہیں اور کچھ آستین کا سانپ بن کر ڈستے ہیں۔

مسئلہ فلسطین پر اگر بھگوا دھاری حکومت فلسطین کے ساتھ ہے، تو ہمیں خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔رام راج کا خواب دیکھنے والی یہ حکومت قوم مسلم کی دوست یا ہمنوا ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تو حکومت ہند کی سیاسی مجبوری تھی ۔اگر ہندوستان اسرائیل کے حق میں ووٹ دیتا، تو ایسے سات آٹھ ملکوں کی فہرست میں کھڑا ہوتا جو بے نام ونشان اور گمنام ہیں ۔اقوام متحدہ میں جن کی حیثیت نا کے برابر ہے۔دوسری طرف مسلم اور عرب ممالک سے ہندوستان کے

تعلقات خراب ہوسکتے تھے،جس کا خمیازہ ہندوستان کو تنہا بھگتنا ہوتا اور بھاری نقصان برداشت کرنا پڑتا۔

مسلمان اگر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنا چاہتا ہے۔اگر فلاح ونجاح اور عروج وارتقا کا آرزومند ہے۔مذہب وشریعت میں مداخلت نہیں چاہتا تو اٹھ کھڑا ہو۔اپنے اندر قابلیت وصلاحیت پیدا کرے۔کب تک کمزوروں کی طرح غیروں کو تکتے رہیں گے۔کفار وہنود کب چاہیں گے کہ مسلمان ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ بن جائیں۔مسلمانوں کو چاہئے کہ تعلیمی ، معاشی اور سیاسی طور پر مضبوط اور مستحکم بنیں۔اسلامی تہذیب وتمدن اور شریعت پر مضبوطی کے ساتھ عمل کریں۔اپنے جائز حقوق کے حصول کے لیے خوب کوششیں کریں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:{**لایالونکم خبالاودواماعنتم**} (سورہ آل عمران: آیت ۱۱۸) کفار تمہیں نقصان پہنچانے میں کمی نہ کریں گے،ان کی تو آرزوئے دلی یہ ہے کہ تم مشقت ومصیبت میں مبتلا رہو۔

سیاسی شعور وتدبر اور حکمت عملی سے اگر اب بھی ہم نے کام نہ لیا، تو پھر تیار ہوجائیں کٹنے لٹنے کے لیے۔ہماری آنے والی نسلیں پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑی جائیں گی۔ان کے ذہن وفکر پر پھر پہرے بٹھائے جائیں گے۔انگریزوں کی غلامی سے آزادی کے لیے، ہمارے اسلاف نے سخت مشقتیں برداشت کیں ، پیران عظام اپنی خانقاہوں سے نکلے ،علمائے کرام نے اپنی درس گاہوں کو چھوڑا،علم احتجاج بلند کیا ، جہاد کا فتوی دیا ، دار ورسن پر چڑھائے گئے،کالے پانی کی مشقتیں جھیلیں ، ان کے خون کی ندیاں بہائی گئیں،صرف اس لیے کہ ہماری آنے والی نسلیں آزاد فضا میں سانس لے سکیں ۔آزادی کے ساتھ اپنی شریعت پر عمل کرسکیں ۔عزت وآبرو کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں،لیکن حالات کی ستم ظریفی کہیے کہ جس قوم نے وطن کی آزادی کے لیے سب سے زیادہ خون بہایا، وہی قوم اب غدار وطن، دہشت گرد اور دیش دروہ جیسے الفاظ سے نوازی جارہی ہے۔

اب ضرورت ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دیں۔علم دین سے مزین کرنے کے بعد علوم عصریہ سے آراستہ کریں، تاکہ ہماری آنے والی نسلوں کا مستقبل ہندوستان میں روشن وتابناک ہو سکے۔حکومت کے ہر طبقہ میں ہماری حصہ داری ہوسکے۔ملک کے تمام اداروں میں ہماری شمولیت ہوسکے۔ایسی نسل تیار کریں، جو ہمارے حقوق کی بات کرسکیں، جو پارلیامنٹ اور اسمبلی میں ہماری شریعت اور عزت وعظمت کے لیے لڑ سکیں۔جو حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرسکیں۔

مسلمان تعلیم میں سب سے پچھڑا ہے،اسی لیے غریب اور مفلوک الحال ہے۔معاشی اور اقتصادی طور پر کمزور ہے۔جس قوم کے لیے اللہ رب العزت کا سب سے پہلا حکم ''اقرأ'' کا نزول ہوا تھا، وہی قوم جب اس فرمان الٰہی کو فراموش کردے،تو پھر کیوں نہ چہار جانب سے دبائی جائے؟ ہم کیوں کر اپنا حق حاصل کرسکتے ہیں، یا اپنے حق کی بات کرسکتے ہیں؟ تعلیم کے بغیر تو انسان اس قابل بھی نہیں ہوتا کہ اپنا دفاع کرسکے۔

دلت اور چھوٹی چھوٹی قومیں تو بیدار ہوچکی ہیں،لیکن ہم کب بیدار ہوں گے؟ ابھی گذشتہ دنوں راجپوتوں کی ایک مختصر سی جماعت نے سپریم کورٹ کے حکم کی دھجیاں اڑاتے ہوئے پورے ملک میں بے جا تشدد کیے۔بڑے بڑے شہروں میں آگ زنی اور پتھراؤ کے ذریعہ لوگوں کو ہراساں کیا گیا۔ ہریانہ میں اسکول کی بسوں پر حملہ کیا گیا،جس میں اسکولی بچے بیٹھے ہوئے تھے۔سپریم کورٹ کے بار بار کے فیصلوں کے باوجود ملک کی چار ریاستوں میں فلم پدماوت کو ریلیز نہ کرنے دیا گیا۔

ان کے تشدد اور غنڈہ گردی کی ہم حمایت نہیں کرتے ،نہ ہمارا دین اس کی اجازت دیتا ہے،لیکن کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ایک چھوٹی سی جماعت اپنے موقف سے ذرا بھی نہ ڈگمگائی؟ کیا اکثریت اور سپریم کورٹ کی مخالفت کرتے ہوئے یہ لوگ اپنے چھوٹے سے مقصد کے لیے کامیاب نظر نہیں آتے؟ کیا حکومت ان

کے سامنے بے بس نظر نہیں آتی ؟ آئے دن ہم پر مصیبتوں کا نزول ہوتا ہے۔آئے دن ایسے واقعات وحادثات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں، جو ہمارے اتحاد واتفاق کا سبب بن سکتے ہیں،لیکن ایسے واقعات ومصائب بھی ہمیں جگانے کے لیے کافی نہ ہو سکے۔تاریخ گواہ ہے کہ جسے اپنی حالت کی فکر نہیں ہوتی ،اسے مردہ سمجھ کر دفن کر دیا جاتا ہے۔

کہنے کو ہم 15 :پرسینٹ ہیں ۔سب سے بڑی اقلیت میں ہمارا شمار ہوتا ہے،لیکن اس کے باوجود ہم پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔ ہماری شریعت پر حملہ کیا جارہا ہے،اور ہم خاموش ہیں۔کیا ہماری غیرت وحمیت مرچکی ہے؟ راجپوتوں نے اپنی ایک رانی کے تقدس کے لیے پورے ہندوستان کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہمارے اندر کا مسلمان کب بیدار ہوگا؟ کیا قرآن وحدیث کے خلاف فیصلے ہوتے رہیں اور ہم ایک دوسرے کا منھ تکتے رہیں ،یا کسی ایسے قائد کے منتظر رہیں جو ہمارے مزاج کا ہو۔کتنے مسلمان مار دیے گئے،لیکن ہم چپ رہے۔

شریعت کا مذاق بنایا جارہا ہے،مگر ہم خاموش ہیں۔کیا شریعت محمدیہ کے لیے بھی ہم آپسی اختلاف کو بھول کر باہم متحد نہیں ہو سکتے۔ ابھی تو طلاق ثلاثہ کا معاملہ ہے، پھر تعدد ازدواج پر انگلیاں اٹھیں گی، پھر حلالہ کے مسئلہ پر ہمیں حلال کیا جائے گا،ایک دن قربانی کے خلاف بھی زبانیں کھولی جائیں گی۔گئو ہتیا،لو جہاد،وندے ماترم،دہشت گرد جیسے الزامات تو پرانے ہو چکے ہیں۔اگر یوں ہی خاموشی اور سکوت کا عالم رہا تو پھر نہ جانے کہاں تک یہ سلسلہ دراز ہوگا؟

ہمیں دلتوں سے سبق سیکھنا چاہیے ۔یہ لوگ اپنے حق کے لیے نہ صرف لڑتے ہیں، بلکہ اپنا حق چھین کر لینے کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔اپنے خلاف کسی بھی طرح کی حرکت کا بھر پور جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔اپنی عزت وآبرو اور اپنی قوم کے لیے متحد ہوکر آواز بلند کرتے ہیں،لیکن آزادی کے بعد سے خاک وخون میں غلطاں ،ذلت ورسوائی اور جہالت کی مار جھیلتا ہوا، چہار جانب سے حملہ برداشت کرتا ہوا یہ مسلمان کب بیدار ہوگا؟

دنیا بھر کی مصیبتوں میں گرفتار یہ مسلمان پریشان حال تو تھا ہی،ساتھ ہی مدارس کے سلسلے میں یوگی حکومت کے پے درپے فیصلوں نے انہیں مزید اذیتوں میں مبتلا کر دیا ہے۔آر ایس ایس اور ہندوتوا نظریے والی اس حکومت نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہمارے دینی قلعوں کو مسمار کرنے کی ناپاک کوشش شروع کر رکھی ہے ۔آئے دن یوگی حکومت اپنا جبروتی فیصلہ مدارس پر تھوپنے کی ناروا سعی کرتی ہے ،اور دینی مدارس پر بے جا حکم مسلط کر کے اپنے زعفرانی مقاصد کی تکمیل چاہتی ہے۔ پہلے تو مدارس کو یہ کہہ کر بدنام کیا گیا کہ یہاں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے، پھر اہل مدارس کی حب الوطنی پر شک کیا گیا اور حکومت کی طرف سے یہ حکم آگیا کہ 15 :اگست کو مدارس میں قومی ترانہ ''جن گن من'' ہی گایا جائے ،اور تمام پروگرام کی ویڈیو بھی بنائی جائے۔

یہ حکم تنہا مدارس کے لیے تھا۔ریاست کے اسکول وکالج کے لیے ایسا کوئی حکم صادر نہ ہوا۔کیا اس سے حکومت کی مسلم دشمنی ظاہر نہیں ہوتی ؟اسی وقت تمام مدارس کو متحد ہو کر باہمی مشورے سے علم احتجاج بلند کرنا چاہیے تھا۔اگر تمام مدارس متحد ہو کر اس حکم کا سختی سے بائیکاٹ کرتے تو ہمیں یہ دن نہ دیکھنے پڑتے ،اور یوگی حکومت پھر کوئی ایسا فرمان جاری کرنے کی جرأت بھی نہ کرتی ۔دوسرا فیصلہ آیا کہ مدارس اپنی تمام تفصیلات ،انتظامیہ کمیٹی ،اور مدارس کے تمام حالات آن لائن کریں ۔جو ایسا نہیں کرے گا ،اس کی امداد روک دی جائے گی۔

اگلا حملہ تعطیلات کے سلسلے میں ہوا۔ہمارے تہواروں پر تعطیلات کو کم کر دیا گیا اور دوسرے مذاہب کے تہوار پر تعطیلات کا اضافہ کر کے اسے لازم بھی کر دیا گیا، پھر مدارس کے اوقات تعلیم پر یلغار ہوئی اور مدارس کے تعلیمی اوقات کا تعین حکومت کی طرف سے کر دیا گیا،یعنی حکومت جب کہے کہ تعلیم شروع کی جائے تو تعلیم شروع کی جائے گی،جب کہے کہ مدرسہ بند کیا جائے تو بند کر دیا جائے گا۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

دینی علوم اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی

(Islamic Studies & Computer Technology)

مولانا محمد ہاشم رضا امجدی: متعلم جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کا خلیفہ بنا کر بھیجا اور اسے عقل وشعور عطا فرمائی، تاکہ وہ اس زمین کی خلافت کا حق بحسن و خوبی ادا کر سکے، اور اس کو اپنے دین متین (اسلام) کے ذریعے رہنمائی بخشی، جسے اس کے محبوب بندے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر اس دنیائے فانی میں تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے سے جو پہلا خطاب فرمایا وہ علم سیکھنے کے بارے میں تھا۔ اس سے علم کی وقعت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے، اور خود آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''علم سیکھو اگر چہ چین ہی جانا پڑے'' سے یہ بات بھی اچھی طرح سے جانی جا سکتی ہے کہ آج چین (China) میں علم کتنی وافر مقدار میں پایا جاتا ہے، اس طور پر کہ وہاں کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی اپنے ہاتھوں سے تھوڑی دیر میں ایک حیرت میں ڈال دینے والا گیجٹ (Gadget) بنا لیتا ہے جسے کسی اور جگہ کے بچے اپنے وہم وگمان میں بھی نہیں لا سکتے، گویا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ چین کو کتنی ترقی حاصل ہو جائے گی۔

اسلام نے اپنی پہلی وحی میں علم وتعلیم کی ترغیب دی، اور پھر بنی نوع انسان کو آفاق وانفس کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کا حکم دیا۔ یہ اسلام ہی کی تعلیم کا فیض تھا کہ دنیا کی غیر مہذب عربی قوم احکام اسلام کی تعلیمات کے بعد محض ایک ہی صدی (with in century) کے اندر دنیا بھر کی امامت وپیشوائی کی حق دار ٹھہری اور دیکھتے دیکھتے اس نے دنیا کو یونانی فلسفے کی گتھیوں سے آزاد کراتے ہوئے فطری علوم کو تجربے (Experiments) کی بنیاد عطا کی۔ آج تک انسان آنکھ بند کئے ہوئے یونانی فلسفے (Unani Philosophy) کو مانتے چلے آئے ہیں اور ایسا ماحول لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ مسلمانوں نے تحقیقات (Researches) میں کبھی کوئی اضافہ کیا ہی نہ ہو۔ اسکول سے لے کر کالج و یونیورسٹی تک ہر جگہ سائنس اور ٹیکنالوجی (Science & Technology) کے تعلق سے محض ''یورپ'' کے نعرے بلند ہوتے نظر آتے ہیں، حالانکہ اسلام کی تاریخ ماضی ہمیں بتاتی ہے کہ ہم نے سائنس (Science) کے لیے بہت کچھ کیا ہے، لیکن ان بلند ہوتے متعصّبانہ نعروں کا سد باب کون کرے؟

مسلمان سائنسدانوں (Muslim Scientists) نے یونان و ہند کے ارباب علم ودانش کے لیے جذبات تشکر وامتنان کے اظہار واعتراف میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس کے برعکس اہل یورپ نے موجودہ سائنس مسلمانوں سے حاصل کی، لیکن ان کے ہاں کلمۂ اعتراف تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ہمارے مسلمان سائنسدانوں

(Muslim Scientists) نے علم سائنس محض اپنوں تک محدود نہ رکھا، بلکہ اسے دوسروں کو سکھایا بھی، جن کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ شاید یہی ان کی سب سے بڑی خطا تھی کہ ان کے کارناموں کو بھلا دیا گیا۔ اندلس (Spain) کی مسلم یونیورسٹیوں(Universities) میں عیسائی اور یہودی طلبہ بھی بڑی تعداد میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ مسلمان سائنسدانوں کے یہودی وعیسائی شاگرد بعد میں نامور سائنسدان ہوئے اور اپنی قوم میں سائنسی تعلیم کی ترویج کا باعث بنے۔ چنانچہ معروف مستشرق ''منٹگمری واٹ'' نے اس بارے میں لکھا:

"Already when the fortunes of the Muslims were in the ascendant, their learning had attracted scholars of all faiths. Spanish Jews in particular were including the great Maimonides (1135-1204) sat at the feet of Arabic speaking teachers and wrote their books in Arabic."(W.Montgomery Watt, A History of Islamic Spain)

دینی علوم کو محفوظ رکھنے کے قدیم ذرائع

پہلے انسان دینی علوم کو پتوں یا چمڑوں پر محفوظ رکھتا تھا جسے دیمک چٹ کر جاتی یا وہ بدبو کی بھینٹ چڑھ جاتے، اور سب سے بڑی دشواری ان ذخائر کو جمع کرنے میں ہوتی جو کہ ہزاروں پتوں یا چمڑوں کا مجموعہ ہوتا، پھر بغداد کے مسلمانوں نے روئی سے کاغذ بنایا۔ اس سے پہلے ریشمی کیڑوں کی خول سے کاغذ بنایا گیا تھا، جو کہ بہت مہنگا ہوتا اور انہیں ممالک میں دستیاب ہوتا جو کہ ریشمی کیڑوں کے لیے اچھا ماحول فراہم کرسکیں۔

مسلمانوں نے جب ۷۰۴ء میں چین کے مغربی علاقے سنگیانگ (SsangYong) کو فتح کیا تو اس وقت چین کے قیدی سپاہیوں کی مدد سے سمرقند میں کاغذ بنانے کے کارخانے قائم کیے۔ یہیں سے انہیں کاغذ کی صنعت کو فروغ دینے کا خیال آیا، پھر ۷۰۶ء میں یوسف بن عمر نامی مسلمان سائنسدان نے روئی سے بننے والا کاغذ ایجاد کیا، جسے دمشقی کاغذ کہا جاتا تھا، پھر دھیرے دھیرے اسے دنیا کے کونے کونے تک پہونچایا گیا اور لوگوں نے اسے اپنایا جو کہ باقی کاغذوں کے بالمقابل کافی سستا ہوتا۔ کچھ عرصہ بعد بغداد میں ۷۹۴ء میں کاغذ کا ایک سرکاری کارخانہ یحییٰ برمکی نے قائم کیا جسے ''صناعۃ الورقۃ'' نام دیا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ کارخانے افریقہ (Africa) کے راستے اسپین(Spain) تک پھیل گئے۔ (اسلام اور جدید سائنس)

معروف مستشرق منٹگمری واٹ نے اس سلسلے میں لکھا۔

"Harun Ar-Rashid's vizier, Yahya the Barmakid, built the first paper-mill in Bagdad about the year 800. The manufacture of paper then spread westwards through Syria and North Africa to Spain, and it came into common use. In the twelth century pilgrims from France to Compostela took back pieces of paper as a great curiosity, though Roger II of Sicily had used paper for a document in 1090. From Spain and Sicily the use of paper spread into western Europe, but paper-mills were not established in Italy and Germany until the fourteenth

century."(The Influence of Islam on Medieval Europe)

روئی کے کاغذ کے وجود میں آنے کے بعد دینی کتب کو انہیں پر محفوظ کیا جانے لگا اور یہ سلسلہ کافی لمبے وقت سے اب تک رائج ہے۔ کتابوں کو لکھنے کے لیے کاتب موجود ہوا کرتے جو انہیں ان کاغذوں پر رقم کردیتے۔

دینی علوم کو محفوظ رکھنے کے جدید ذرائع

یہاں تک مسلمانوں کے دینی علوم کو محفوظ رکھنے کا حال تھا جو کتابت وغیرہ میں محدود تھا، پھر دنیا نے کروٹ بدلی اور ٹیکنالوجی (Technology) کا دور آیا اور کمپیوٹر (Computer) کا وجود ہوا، جس نے کاغذ کی دنیا کو اپنی اسکرین (Screen) پر سمیٹ لیا، یہاں تک کہ کتابوں کے ذخیرے جنہیں جمع کرنے کے لیے بڑی بڑی لائبریریاں (Librarires) درکار تھیں، وہ سب سمٹ کر کمپیوٹر کی ہارڈ ڈرائیو (Hard Drive) میں آگئیں، جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے محض ایک چھوٹے سے پین ڈرائیو (Pen Drive) یا میموری کارڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ کتابوں کے ضائع ہونے کا خوف، نہ ہی کھو جانے کا ڈر، جس طرح پہلے کتابوں کے نسخے کاتبوں کے ذریعے لکھوا کر محفوظ رکھ لیے جاتے تھے، تاکہ ضائع ہوجانے کی صورت میں اس سے استفادہ کیا جا سکے، اب یہ کام آج کمپیوٹر خود بیک اپ (Backup) کی صورت میں کر لیتا ہے۔ اگر کوئی فائل (File) ڈیلیٹ (Delete) ہو بھی جائے تو محض ایک کلک (Click) ہی درکار ہوگی اور آپ کی فائل دوبارہ پیش نظر ہوگی۔

کتابت کے سلسلے میں بھی ہمارے ماضی کے کاتبوں نے کافی محنت کی۔ اس طور پر کہ قلم تیار کرنا، پھر اسے سیاہی میں ڈبونا، پھر اسے کاغذ پر اتارنا، ایک دشوار کن مرحلہ تھا جس میں کافی وقت صرف ہوتا ،لیکن جدید کمپیوٹر ٹیکنالوجی (Modern Computer Technology) نے لوگوں کو ان مشقتوں سے نجات دلا دی اور گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہونے لگا۔ ایک اچھا ٹائپسٹ (Typist) چند منٹوں میں ہی کمپیوٹر کے ذریعے ایک فل اسکیپ پیپر (Full Scap Paper) تیار کر دیتا ہے، جس کے لیے پہلے گھنٹوں درکار تھے۔ ترمیم (Editing) کی بات کی جائے تو وہ کافی پیچیدہ معاملہ تھا۔ ایک غلطی کو مٹانے کے لیے اسے کھرچنا ہوتا، لیکن آج یہ سب بالکل آسان ہے۔ محض ایک بیک اسپیس کی (Backspace key) دبایئے اور کام ہوگیا۔ ان حقائق کے پیش نظر دینی علوم کو محفوظ رکھنے میں کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی اہمیت واضح طور پر نظر آتی ہے۔

دینی علوم اور انٹرنیٹ کے ذریعے مدد

خط و کتابت کے ذریعے اپنی بات کسی دور دراز علاقے میں پہونچانا کافی دشوار امر تھا۔ ایک کتاب یا خط کسی کو دینا ہوتو اسے قافلوں کے سپرد کر دیا جاتا جو کبھی اس مطلوبہ ملک سے گذرتے تو انہیں دے دیتے۔ وقت مہینے اور سالوں صرف کرنے پڑتے، لیکن آج اپنی بات کو دوسرے تک پہونچانا ہو تو محض ایک (E-Mail) کافی ہے جو سیکنڈوں میں دنیا کے کسی بھی کونے میں پہونچ جاتا ہے۔ اگر کوئی کتاب کسی کو ارسال کرنا ہوتو صرف اسے (PDF) بنایئے اور ای۔میل کر دیجئے، نہ کسی طرح کا خرچ نہ ہی دشواری، ساتھ ہی قافلہ کا احسان بھی نہیں اٹھانا پڑتا۔

پہلے کسی دینی امر کے متعلق کتاب تیار کرنا ہوتو ایسا لگتا تھا گویا کہ سارا سال اسی کی نذر کرنا ہوگا اور بغیر لائبریری کا چکر کاٹے یہ بے حد مشکل فعل تھا، لیکن کمپیوٹر کی دین ہے کہ آج آپ المکتبۃ الشاملۃ ، المدینہ لائبریری، فتاویٰ رضویہ سافٹ وئیر وغیرہ کے ذریعے مسائل تلاش بھی کر سکتے ہیں اور کتاب بھی ترتیب دے سکتے ہیں۔ نہ کسی دارالافتا کی طرف کتابوں کے لیے رجوع نہ لائبریری کی کوئی حاجت۔

المکتبة الشاملة کے ذریعے تو آپ متن حدیث بھی تلاش کر سکتے ہیں۔ساتھ ہی ساتھ اس کا حوالہ بھی اوران احادیث کو یونی کوڈ کنورٹر (Unicode Converter) کے ذریعے ان پیج (Inpage) میں لے جا کر اس میں ترمیم یا اضافہ یا اور بھی کسی طرح کی ایڈیٹنگ (Editing) کر سکتے ہیں۔سب سے بڑی بات یہ کہ صرف ''المکتبة الشاملة'' میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں موجود ہیں جو ایک پوری لائبریری کو محیط ہے۔جس میں حدیث، اصول حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ، نحو، صرف، بلاغت، ادب، منطق، فلسفہ، لغت وغیرہ شامل ہیں۔

المکتبة الشاملة کے آپریٹر (Operator) کسی نئی کتاب کے آنے پر اسے اس سافٹ ویئر میں شامل کرنے کے لیے نئے اپ ڈیٹس (Updates) بھی فراہم کرتے رہتے ہیں جسے نیٹ (Internet) کے ذریعے ڈاؤن لوڈ (Download) کیا جا سکتا ہے۔اور اگر کسی کتاب میں کوئی غلطی پائی جائے تو اسے اس کے آپریٹر کے ذریعے صحیح کرنے کے لیے فیڈ بیک (Feedback) بھی دیا جا سکتا ہے۔جس چیز نے ان سافٹ وئیرس (Softwares) کو سب سے زیادہ مشہور کیا، وہ ان کے سرچ آپشن (Search Option) ہیں جن کے ذریعے آپ کتاب کی کوئی عبارت آسانی سے تلاش کر سکتے ہیں۔

المکتبة الشاملة لائبریری: علما و طلبہ کے لیے بے حد مفید ہے، کیونکہ اس کی پرائمری زبان (Primary Language) عربی ہے۔عوام الناس اس سے مستفید نہیں ہو سکتے تو ان کے لیے بھی دعوت اسلامی کی آئی ٹی (I.T. Majlis) مجلس نے کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی مدد سے ایک لائبریری تیار کی جس کا نام ''المدینہ لائبریری'' ہے۔جس میں تقریباً سات سو کتابیں موجود ہیں جس میں حضور سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی مکمل تیس جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ اور حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی بہار شریعت بھی شامل ہیں۔ساتھ ہی ساتھ اس کے نئے ورزن (Version) میں حضور شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی ''نزہۃ القاری فی شرح البخاری'' بھی اپ لوڈ (Upload) کر دی گئی ہے، جس سے عوام وخواص ہر کوئی مستفید ہو رہا ہے۔

خلاصۂ کلام: قدیم زمانے میں علوم دین کی حفاظت و صیانت پتوں اور چمڑوں پر کتابت کے ذریعے محدود تھی، پھر ٹیکنالوجی کا دور آیا تو علوم کی حفاظت وصیانت کے حدود وسیع ہو گئے اور نئے نئے طریقے رائج ہوئے، جس سے علوم دین کی حفاظت و تبلیغ وغیرہ کو کافی حد تک سہولت حاصل ہوئی اور اسے ارتقا ملا۔اب ضرورت ہے کہ ہم علم دین کو محفوظ رکھنے اور اسے فروغ دینے کے لیے ٹیکنالوجی کو اپنائیں اور اپنے مدارس و مکاتب میں بھی اس سے فائدہ حاصل کریں، تاکہ اسلاف کرام کے سرمایہ کی حفاظت ہو سکے۔

ہمارے آج کے طلبا مدارس میں پڑھائے جانے والے نصاب کو محض ایک کورس سمجھتے ہیں، اور اس میں توجہ نہیں دیتے اور سائنس اور ٹیکنالوجی سے یا تو دور ہی رہتے ہیں، یا لہوولعب کا ذریعہ سمجھتے ہیں، پھر جب وہ مدراس سے فارغ ہو کر باہر کی دنیا میں داخل ہوتے ہیں تو انہیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا وقت ضائع کر چکے ہیں اور ان کے پاس سوائے حسرت وندامت کے کچھ نہیں ہوتا۔دعا ہے اللہ رب العزت ہمیں علم دین سیکھنے اور اس کی حفاظت اپنی جان کے آخری لمحے تک کرنے کی توفیق عطا فرمائے: آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

پھیلائے ہوئے گوشۂ دامان تجسس
سائنس محمد ﷺ کا پتہ پوچھ رہی ہے

جامعہ اشرفیہ مبارکپور اور حسام الحرمین

محمد فیضان سرور مصباحی: شعبہ تخصص فی الحدیث، جامعہ اشرفیہ (مبارکپور)

اولاً یہاں مولانا طارق انور مصباحی (کیرلا) کی تحریر نقل کی جاتی ہے، جو حالیہ دنوں میں سوشل میڈیا پر برق رفتاری کے ساتھ گشت لگا رہی ہے، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ ادیب شہیر حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) کی تحریر نقل کی جائے گی۔

جامعہ اشرفیہ مبارکپور کا اظہار برأت

تحریر: بحکم ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ (مبارکپور)

آج شب پنج شنبہ ساڑھے نو بجے بتاریخ ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۷/فروری ۲۰۱۸ء راقم السطور نے استاذ عالی المراتب خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ الاقدس ناظم تعلیمات وسابق شیخ الجامعہ: الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور) سے اپنی کتاب ''البرکات النبویۃ فی الاحکام الشرعیۃ'' پر تقریظ رقم فرمانے کی گذارش کی، ساتھ ہی مصباحی کے لقب سے ملقب بعض فتنہ پردازوں کا ذکر کیا، جو مسلسل کئی ماہ سے حسام الحرمین میں بیان کردہ احکام شرعیہ پر حرف گیری کررہے ہیں۔ استاذ ممدوح نے اس کے دو جوابات ارشاد فرمائے۔

جواب اول

میں نے جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) کے چوبیسویں فقہی سیمینار (منعقدہ ۷، ۸، ۹ نومبر ۲۰۱۷ء) کے خطبہ صدارت میں حسام الحرمین کے احکام کا ذکر اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے حکم تکفیر پر علمائے اہل سنت وجماعت کے اتفاق کا تذکرہ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا تھا۔

جواب دوم

جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) اپنے فارغین کو سند تفویض کرتے وقت فارغین سے تحریری معاہدہ لیتا ہے کہ حامل سند مسلک دیوبند کے اشخاص اربعہ کے کافر ومرتد ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ اگر وہ اس اقرار سے منحرف ہوجائے تو سند مسترد قرار پائے گی۔ اب جو لوگ اشخاص اربعہ کی تکفیر کا انکار کرتے ہیں، ان تمام کی سندیں منسوخ ہوچکی ہیں۔ جب ان لوگوں کی سندیں منسوخ ہوچکی ہیں تو اب ان لوگوں کو مصباحی کہنے، لکھنے کا حق حاصل نہیں۔ اب ان لوگوں کا خود کو ''مصباحی'' کہنا، لکھنا غلط ہے۔ یہ ان لوگوں کی دھوکہ بازی اور فریب سازی ہے۔

راقم الحروف نے عرض کیا تھا کہ اس سال عرس عزیزی کے موقع پر جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) کے کوئی ذمہ دار فرد یا حضرت سربراہ اعلیٰ دام ظلہ العالی اس تعلق سے چند جملے ارشاد فرمادیں، تاکہ عوام کو بھی اس کی اطلاع ہوجائے۔

استاذ گرامی نے جواباً فرمایا کہ انٹرنیٹ سے ہم لوگوں کا ربط وتعلق نہیں۔ ذمہ داران ادارہ بھی انٹرنیٹ سے تعلق نہیں رکھتے۔ جو کچھ فتنے پھیلائے جارہے ہیں، وہ انٹرنیٹ پر ہیں۔ تم میرے حوالے سے انٹرنیٹ پر میری باتوں کو لکھ کر اپ لوڈ کردو۔ میں نے عرض کیا کہ میں ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) میں بھی آپ کے حوالے سے یہ بات رقم کردوں؟ استاذ موصوف نے فرمایا: ہاں، ماہنامہ میں بھی تحریر کردو۔

کتبہ: طارق انور مصباحی (کیرلا)

بوقت: 10:30 PM شب پنج شنبہ بتاریخ ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۷/فروری ۲۰۱۸ء

مولانا موصوف نے شب پنج شنبہ کو بوقت: دس بجے بتاریخ ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۸/فروری ۲۰۱۸ء یہ تحریر استاذ محترم حضرت مصباحی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کو سنادی تھی، اور حسب ہدایت جواب دوم میں کچھ تفصیل شامل کی: جزاہما اللہ تعالیٰ خیرالجزاء: آمین

علامہ مبارک حسین مصباحی مدیراعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ (مبارکپور) نے شمارہ نومبر ۲۰۱۳ء کے اداریہ (ص ٦) میں تحریر فرمایا۔

''اب ہم ذیل میں مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے ایک انتہائی قدیم حوالہ نوٹ کرتے ہیں۔ ۹/شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۱/ اکتوبر ۱۹٦۹ء کی بات ہے، جب جلالۃ العلم حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ نے فارغین سے اعتقادی عہد واثق پر دستخط کرانے کا سلسلہ شروع فرمایا تھا۔ دراصل حفظ، قرأت، عالمیت، فضیلت اور تخصص کی سند دینے سے پہلے فارغین سے اس عہد واثق کو پڑھوایا جاتا تھا۔ اگر وہ بخوشی پڑھ کر دستخط کر دیتا ہے تو اسے سند جاری کی جاتی ہے، اور اگر کوئی طالب علم انکار کرتا ہے، یا خاموشی اختیار کرتا ہے تو اسے سند جاری نہیں کی جاتی۔ ریکارڈ میں اس قسم کی تین تحریریں ہیں۔ پہلی تحریر ۹/شعبان ۱۳۸۹ھ/ ۲۱/ اکتوبر ۱۹٦۹ء کی ہے۔ دوسری ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۱ء کی ہے۔ تیسری تحریر ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء کی ہے۔ یکے بعد دیگرے ان تحریروں کا استعمال جاری رہا۔ اب اس وقت جو تحریر جاری ہے، اسے طالب علم سے باضابطہ تحریر بھی کرایا جاتا ہے۔ اگر طالب علم انکار کرتا ہے، یا سکوت اختیار کرتا ہے تو اسے نہ دستار دی جاتی ہے، اور نہ سند کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ پہلی تحریر جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی نوراللہ مرقدہ کی ہے، جو حسب ذیل ہے۔

عهد واثق

حامدا ومصليا

من جانب طلبہ فارغ التحصیل دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

میں مذہب حق اہل سنت و جماعت کا پابند ہوں، فتاویٰ حسام الحرمین شریف کو حق و صحیح جانتا اور مانتا ہوں، کتاب حفظ الایمان و براہین قاطعہ و تحذیرالناس کی کفری عبارتوں کی بنا پر مولوی اشرف علی، مولوی خلیل احمد انبیٹھی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی پر علمائے عرب و عجم نے جو کفر کے فتوے دیے ہیں، میرے نزدیک وہ حق و صحیح ہیں۔ میں حسام الحرمین شریف کی تصدیق کرتا ہوں۔ عبدالعزیز عفی عنہ

۹/شعبان ۱۳۸۹ھ

دوسری تحریر جو شیخ الجامعہ نے قدرے فرق کے ساتھ جاری فرمائی۔

حامدا ومصليا

میں مذہب حق اہل سنت و جماعت کا پابند ہوں اور ہر کفر و ضلالت سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ کتاب حفظ الایمان، تحذیرالناس اور براہین قاطعہ کی کفری عبارتوں کی بنا پر علمائے عرب و عجم نے مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کی جو تکفیر کی ہے، وہ بجا اور درست ہے۔ میں بھی مذکورہ افراد کی تکفیر اور حسام الحرمین کی مکمل تصدیق و تائید کرتا ہوں۔

تیسری تحریر جو ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء میں جاری ہوئی، اس تحریر کو پڑھ کر طالب علم کو نقل کرنا بھی ضروری ہے۔

هدايت

درج ذیل مضمون سے اگر اتفاق ہے تو اپنی طرف سے نیچے پورا مضمون لکھ کر دستخط کریں، ورنہ وجہ اختلاف بیان کریں۔

۱- مولوی محمد قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب ''تحذیرالناس'' میں ''خاتم النبیین'' بمعنی ''زمانے کے لحاظ سے آخری نبی'' کا انکار کیا اور ہمارے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی نئے نبی کا آنا جائز کہا ہے۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی نے خود نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ -مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، اور مولوی رشید احمد گنگوہی نے ''براہین قاطعہ'' میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شیطان کے علم سے کمتر بتایا (باقی ص ۱۸ پر)

تعلیمی مسائل　　**قسط دوازدھم**

جمہوری ممالک میں مسلمانوں کا نظام تعلیم

طارق انور مصباحی
{tariqueanwer313@gmail.com}

عالم کبیر، فاضل شہیر حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بہاری (۱۸۷۸ء-۱۹۳۹ء) سابق صدر شعبہ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) ایک صائب الرئے مفکر اور دور اندیش مدبر تھے۔ علامہ موصوف، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) کے مشہور خلیفہ ہیں۔ ممدوح گرامی نے مسلمانان ہند کی بھلائی کے لیے متعدد کتب ورسائل تحریر فرمائے: (۱) الرشاد (۲) النور (۳) السبیل (۴) البلاغ (۵) المبین وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ رسالہ ''السبیل'' سال ۱۹۲۴ء میں مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ (علی گڑھ) سے شائع ہوا۔ دینی ودنیاوی تعلیم کے فوائد وثمرات اور ماقبل آزادی، مسلمانان ہند کی تعلیمی جدوجہد پر یہ نہایت عمدہ تحریر ہے۔ اس رسالے کے چند اقتباسات منقولہ ذیل ہیں: وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ واصحابہ اصحاب النعیم

ذیلی اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد حاضر میں محض دینی تعلیم تک مسلمانوں کا محدود رہنا حالات کے تقاضوں کے خلاف ہے، اور صرف دنیاوی تعلیم سے خود کو وابستہ کر لینا بھی از روئے شرع جائز نہیں، کیونکہ بقدر ضرورت دینی تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ تعلیمی مسائل کی یہ بارہویں قسط ہے۔ اگر بنظر غائر تمام اقساط کا مطالعہ کیا جائے تو ایک عمدہ نصاب ونظام تیار ہو سکتا ہے۔ جمہوری ممالک میں مسلم طلبہ کے لیے مشترکہ تعلیم گاہوں کا قیام ضروری ہے، تاکہ قوم مسلم دین سے بھی آشنا رہے، اور حکومتی منافع سے بھی نفع اندوز ہو سکے۔

مشترکہ تعلیم گاہوں کا آغاز: اسباب وعلل کیا تھے؟

علامہ سلیمان سید اشرف بہاری نے تحریر فرمایا: ''یہ ایک واقعہ ہے کہ قوائے دماغیہ اور قوائے جسمانیہ دونوں کے وظائف جس طرح کہ مغائر ہیں، ویسا ہی ان دونوں کے مطالبات میں بھی تغایر پایا جاتا ہے۔ اس وقت تک کہ مسلمانوں کی حکومت وسلطنت تھی، علوم عربیہ سے اگر مطالبات دماغیہ پورے ہوتے تھے تو جسم وجسمانیت کا انتظام بھی انہیں سے انجام پاجاتا تھا، لیکن انگریزی حکومت کا دور جب آغاز ہوا تو مطالبات جسمانیہ کا انصرام آہستہ آہستہ انگریزی تعلیم میں منحصر ہو گیا۔ اب اگر خصوصیت ملی اور امتیاز قومی کی حیات تشنۂ آب علوم اسلامیہ تھی تو قوام جسم کا نظام اپنے بقا اور نمو کے لیے انگلش زبان کا بھوکا تھا۔ حکمائے امت کی دور بیں نگاہوں نے اسے دیکھا اور عربی مدارس کے اصول تعلیم میں تغیر وتبدل کے لیے آمادہ ہو گئے۔ خالص مدارس عربیہ میں کچھ انگریزی کی تعلیم داخل کی گئی، نیز طریقہ تعلیم میں بھی سہولت کی راہ پیدا کی گئی''۔
(السبیل ص ۲۰: مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ)

مدرسہ احمدیہ اور ندوۃ العلما: مشترکہ نصاب تعلیم

علامہ سلیمان سید اشرف بہاری نے تحریر فرمایا: ''فقیر کے علم میں سب سے پہلے مدرسہ احمدیہ آرہ نے اس کی بنیاد رکھی ۔صرف ونحو کی بعض کتابیں سہل اصول پر تصنیف ہوکر وہاں سے شائع ہوئیں اور کچھ انگریزی کا سیکھنا لازم قرار دیا گیا۔اس کے بعد مجلس ندوۃ العلما قائم ہوئی ،جس نے زیادہ اہتمام کے ساتھ مسئلہ تعلیم پر ہر پہلو سے غور وخوض کرنا شروع کیا۔اس میں کچھ شک نہیں کہ جس نہج پر علمائے ندوۃ العلما نے اپنی سعی کا قدم بڑھایا تھا، وہ منزل رساں اور موصل الی المطلوب تھا،لیکن افسوس اس کا ہے کہ اس وقت ان کی کوششیں تفصیل کے ساتھ ملک وقوم کے سامنے موجود نہیں۔اس لیے بہت سی مشکلات ایسی ہیں جو اس وقت حل ہوگئی تھیں،لیکن اس بیس پچیس برس کے الٹ پھیر میں پھر وہ علیٰ حالہا قائم ہوگئیں،مثلاً برسوں ندوۃ العلما میں اس پر گفتگو رہی کہ نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم میں وقتاً فوقتاً کیا تغیر پیدا ہوتا رہا اور ہر تغیر کے کیا ثمرات ونتائج ظاہر ہوئے؟ یہ عظیم الشان کثیر المنفعت بحث تھی،لیکن افسوس کہ اس وقت بخت واتفاق سے جو کچھ موجود ہے، وہ بہت ہی ناکمل ہے۔اگر علمائے کرام کی ان تمام مساعی جمیلہ کا ذخیرہ موجود ہوتا تو درس گاہوں کو اپنے درس کی غایت اور نصاب مقرر کرنے میں بہت بڑی سہولت ہوتی''۔(السبیل ص ۲۰، ۲۱: مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ،علی گڑھ)

علامہ سلیمان سید اشرف بہاری نے تحریر فرمایا: ''بہر حال ندوۃ العلما نے اپنا ایک مقصد قرار دیا اور اسی کے بموجب چند سال کی پیہم کوششوں کے بعد اپنا ایک نصاب تعلیم اس نے قرار دیا۔اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ انگریزی تعلیم وہاں اسی قدر ہے، جس قدر مڈل اسکول میں انگریزی ہوا کرتی ہے۔اصل تعلیم علوم اسلامیہ کی ہے،لیکن پھر بھی اس کی ترتیب وتہذیب اور تعین نصاب میں چار پانچ برس ان اکابر علما کے صرف ہوگئے،جن کے کمال کا علو اور علمی شان کی رفعت کسی صاحب تمیز کے لیے محتاج برہان ودلیل نہیں''۔

(السبیل ص ۲۱: مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ،علی گڑھ)

ندوۃ العلما(لکھنو) میں مذہبی آزاد خیالی کے سبب اس ادارہ کو قبولیت عامہ حاصل نہ ہوسکی،پھر جب اہل ندوہ نے دیوبندی مسلک کو اپنا نصب العین بنالیا،تب اہل دیوبند اس جانب مائل ہوگئے۔ناظم ندوہ نے ہوش سے کام لیا ہوتا تو یہ اہل سنت وجماعت کا عظیم ادارہ ہوتا۔

امام اہل سنت اور اجلاس ندوہ میں اصلاح نصاب پر مقالہ خوانی

''ندوۃ العلما'' علمائے اہل سنت وجماعت کی تحریک تھی۔محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلما کی غلط پالیسیوں کے سبب اس تحریک پر اغیار کا قبضہ ہوگیا۔ندوۃ العلما کے قیام وتشکیل کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ مدارس اسلامیہ کے نصاب ونظام کی اصلاح وتجدید کاری(Modernization) کی جائے-اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بھی مدارس اسلامیہ کے نصاب ونظام میں جدت وجودت کے متمنی تھے۔ندوہ(کانپور) کے ایک اجلاس میں آپ نے اپنا تحریری مقالہ بھی پڑھا تھا۔اسی تحریک کے زیر اہتمام ندوۃ العلما(لکھنو) کا قیام مشترکہ تعلیم گاہ کے طور پر ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوا تھا۔نصاب تعلیم میں دینی ودنیوی،دونوں قسم کے علوم شامل تھے۔

پروفیسر مسعود احمد مظہری(۱۹۳۰ء-۲۰۰۸ء) نے رقم فرمایا کہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں مدرسہ فیض عام کانپور کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر''ندوۃ العلما'' کی بنیاد رکھی گئی۔ابتدائی عہد میں کانپور کے ایک اجلاس میں امام اہل سنت امام احمد رضا خاں قادری(۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) نے بھی شرکت فرمائی،اور اصلاح نصاب سے متعلق ایک مقالہ پڑھا،پھر ارباب ندوہ کے غلط افکار ونظریات کے سبب ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء سے قبل اس مجلس سے علیحدگی اختیار فرمالی۔(گناہ بے گناہی ص ۵۲-ادارہ مسعودیہ کراچی پاکستان)

علمائے ہند اور مشترکہ نصاب تعلیم کی تشکیل

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری رقمطراز ہیں۔ ''علوم مشرقیہ کے جاننے والے علمائے ہند جب ایک جگہ مجتمع ہوکر اصلاح تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے تو چند سال میں اپنی صحیح فکر کا منفعت رساں نتیجہ انھوں نے پیش کر دیا، مثلاً ندوۃ العلما نے اپنی تعلیم گاہ کا یہ مقصد قرار دیا تھا کہ یہاں کا فارغ التحصیل طالب العلم اگر انگریزی تعلیم کا بموجب قوانین یونیورسٹی تکملہ کرنا چاہے تو پانچ برس میں گریجویٹ ہو جائے، اور اگر اپنی موجودہ انگریزی دانی کو قوت مطالعہ سے بڑھانا چاہے تو کچھ عرصہ میں اس کی استعداد ایسی ہو جائے کہ اپنا مدعا انگریزی کتابوں میں پڑھ کر حاصل کر لے۔ چنانچہ پہلا دور جو ندوۃ العلما کے فارغ التحصیل طلبہ کا دار العلوم سے نکلا، اس کے سند یافتہ طلبہ دونوں راستوں پر چل کر کامیاب ہوئے۔ بی اے، ایم اے بھی ہوئے، اور اپنے مطالعہ سے برکلے اور ہکسلے کے فلسفہ کو سمجھ کر ملک وقوم کے سامنے پیش کرنے والے بھی پائے گئے۔ اس عمل سے علما کی اصابت رائے اور صحت رائے اور صحت تجویز پر مہر ہوگئی''۔ (السبیل ص ۳۹: مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ)

ڈھاکہ یونیورسٹی: مشترکہ نصاب تعلیم اور مقاصد

علامہ سلیمان اشرف بہاری نے رقم فرمایا: ''ندوۃ العلما کے بعد پھر کوئی تحریک حلقہ علما میں پیدا نہ ہوئی۔ اس کے بہت سے اسباب وعلل ہیں۔ من جملہ ان کے خاص وجہ یہ ہے کہ کثیر تعداد علمائے کامل الفن کی، جن کے سینوں میں علوم اور دلوں میں امت مرحومہ کی سچی خیر خواہی تھی، وہ زیر خاک پنہاں ہوگئی، لیکن یہی تحریک گروہ تعلیم یافتگان علوم مغربیہ میں آہستہ آہستہ کارفرما ہونے لگی۔ علوم اسلامیہ کی حمایت میں اب انگریزی داں اصحاب اپنی آواز بلند کرنے لگے۔ تقریر وتحریر میں اس کی اہمیت وضرورت پر توجہ دلاتے۔ تعلیم قرآن اور فہم معانی قرآن پر تشویق وترغیب آمیز مضامین لکھتے۔ قومی تقریروں اور قومی خطبات میں آیات کلام الٰہی اور احادیث نبوی کا اقتباس کرتے، یہاں تک کہ مسلمانان بنگال اپنے قول کو عمل میں لانے کے لیے آمادہ ومستعد ہوگئے۔

استحکام عمل کے خیال سے برسوں مشورہ رہا۔ مختلف علما اور مستشرقین سے تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ متعدد بار مجلس شوریٰ قائم ہوئی، تا آنکہ ڈھاکہ یونیورسٹی جب قائم ہوئی تو وہاں ''اسلامک اسٹڈیز'' کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا گیا۔ بعض اہل علم کی خدمات تعلیم کے حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی نے اسلامک اسٹڈیز یعنی علوم اسلامیہ کی تعلیم کا اپنے جامعہ میں یہ مقصد قرار دیا کہ علوم اسلامیہ میں یہاں کے فارغ التحصیل کو وہی دستگاہ حاصل ہو، جو درس نظامیہ کے فارغ التحصیل طلبہ میں اب سے چالیس پچاس برس قبل ہوا کرتی تھی۔ اسی کے ساتھ انگریزی علم ادب میں بی اے تک انہیں پڑھایا جائے، تاکہ ان کی قیمت کسی بی اے سے کم نہ ہو سکے، لیکن کلکتہ کمیشن رپورٹ انہیں بی اے کہنے سے پس وپیش کرتی ہے، اس لیے کہ صرف لٹریچر بی اے تک پڑھنا بی اے کے لقب پانے کے لیے ناکافی ہے۔ گورنمنٹ بھی ان کی قیمت ایک گریجویٹ کی قائم نہیں کرتی۔ بہت سے شعبے ملازمتوں کے ان سند یافتگان کے لیے گورنمنٹ کے قانون میں ویسے ہی ممنوع ہیں، جیسا کہ ندوۃ العلما کے فارغ التحصیل کے لیے ممنوع ہیں''۔ (السبیل ص ۲۲، ۲۳: مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ)

ڈھاکہ یونیورسٹی: مشترکہ نصاب تعلیم پر دوطرفہ اعتراضات

علامہ موصوف نے تحریر فرمایا: ''علاوہ ازیں ڈھاکہ یونیورسٹی پر انگریزی داں اصحاب یہ جرح پیش کرتے ہیں کہ غالب تعلیم تو عربی کی ہوئی، اور لقب انگریزی خواں کا دیا گیا، یہ صحیح سند نہ ہوئی، اور عربی داں قدیم تعلیم یافتہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بی اے تک انگریزی لٹریچر

بڑھانا فی الحقیقت علوم اسلامیہ کو ناقص رکھنا ہے۔کام اگرچہ شروع ہوگیا ہے،لیکن اس طرح گفت وشنود نے مشکلات پیدا کردی ہیں۔گزشتہ سال ڈھاکہ یونیورسٹی کے رجسٹرار کا جو خط آیا تھا،اس سے ذمہ داران یونیورسٹی کی یہ دقتیں معلوم ہوئیں''۔(السبیل ص۲۳:علی گڑھ)

فارغین کی معیشت کا لحاظ:نظام تعلیم میں تبدیلی کا مشورہ

علامہ سلیمان اشرف بہاری کا یہ رسالہ''السبیل''سال ۱۹۲۴ء میں طبع ہوا تھا۔اب قریباً ایک صدی ہونے کو ہے،لیکن آج تک اس خیال میں تبدیلی نہ آسکی،حالانکہ یہ ایسا بین البطلان مغالطہ ہے،جس نے مسلمانان ہند کے مستقبل کو حد درجہ تاریک اور مایوس کن بنا دیا ہے۔اسی بحث میں علامہ موصوف نے مذکورہ بالا خیال پر تنقید ملیح بھی تحریر فرمائی،وہ منقولہ ذیل ہے۔اہل فہم کو ان جوابات پر غور کرنا چاہئے۔

علامہ بہاری رقمطراز ہیں۔''میں اس وقت اس کا فیصلہ نہیں کرنا چاہتا کہ ڈھاکہ یونیورسٹی پر جو اعتراض جدید وقدیم تعلیم یافتوں کا ہو رہا ہے،وہ کہاں تک صحیح ہے؟نہ میں اس کا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں کہ ڈھاکہ یونیورسٹی کا نظام تعلیم صحیح ہے یا غلط؟لیکن اس قدر ضرور عرض کروں گا کہ علم کو محض ان بیش بہا فوائد کی غرض سے تحصیل کرنے والے جو مقاصد علم ہیں،اس زمانہ میں نہ صرف کم یاب،بلکہ نایاب ہیں،لہٰذا ہمیں اپنی تعلیم گاہ میں اس کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے کہ بعد فراغ سند یافتہ طلبہ کے لیے وہ تمام دروازے کشادہ رہیں،جو عموماً ایک گریجویٹ کے لیے کشادہ سمجھے گئے ہیں۔اگر ان کی وسعت میں کمی آتی ہے تو اپنے نظام تعلیم کو فوراً بدل دینا چاہئے،تاکہ قلوب عوام اس کی جانب مائل ہوسکیں''۔

(السبیل ص۲۴:مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ،علی گڑھ)

علامہ بہاری نے رقم فرمایا۔''الحاصل جامع افراد کی ضرورت مسلمانان ہند کے لیے کچھ ایسی ضرورت نہ تھی،جسے ایک گروہ ضروری قرار دیتا اور دوسرا اس کی ضرورت سے انکار کرتا،یا اسے وقتی یا مقامی کہہ کر حیز التوا میں ڈال دیا جاتا نہیں،بلکہ مرور ایام کے ساتھ اس کی ضرورت کی ہمہ گیری ایک گوشہ ملک سے دوسرے گوشہ تک مسلم ومحقق ہوگئی''۔(السبیل ص۲۶:مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ،علی گڑھ)

جامع افراد سے کیا مراد ہے؟دونوں علوم ضروری کیوں؟

علامہ سلیمان اشرف بہاری نے رقم فرمایا۔''اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حکومت وسلطنت کے ساتھ صرف درہم ودینار ہی کا خزانہ عطا نہیں ہوتا ہے،بلکہ بہت سے کمالات ومحاسن اس کے علاوہ ایسے عطا ہوتے ہیں،جن کی پرسش وقدر دانی بعد از زوال سلطنت بھی باقی رہتی ہے۔اس وقت کہ خطہ یورپ سریرآرائے سلطنت ہے،وہاں کی زبانوں کا جاننا خالی از منفعت نہیں،اس لیے بھی انگریزی تعلیم سے اعراض وچشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ڈھاکہ یونیورسٹی نے انہیں امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ندوۃ العلما کے اصول پر اپنا نصاب تعلیم مرتب کیا،لیکن انگریزی تعلیم کو بڑھا کر بی اے تک پہونچا دیا۔اس اضافہ سے انگریزی لٹریچر کی وسعت تو ہوگئی،لیکن اس سند یافتہ کی ملک،قوم اور حکومت میں کیا قیمت ہوگی،اس باب میں کسی خاص خصوصیت کا اظہار نہ ہوسکا۔

نظام تعلیم کے اس تغیر وتبدل سے اتنا تو ضرور معلوم ہوا کہ مسلمانان ہند کو اپنی وجاہت،اپنی معاشرت اور اپنے خوش منظر تمدن کے لیے انگریزی تعلیم سے مفر نہیں،لیکن اپنی قومیت،اپنی ملی خصوصیت اور اپنی مذہبی زندگی کی بقا کے لیے علوم اسلامیہ سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اب نہ تو صرف علوم اسلامیہ کی تعلیم انصرام حاجات اور ضروریات کے لیے کافی ہے،نہ محض انگریزی کی سند یابی قومی درد کی دوا ہوسکتی ہے،اس لیے ضرورت اس کی ہے کہ جامع افراد کچھ تیار کیے جائیں۔اسی اجتماع کی تدبیر ابتداءً علمائے ملت نے ایک قرار دی،ان کے بعد گروہ تعلیم یافتہ علوم مغربی کی کوشش کی نوبت آئی،جس کا پہلا نمونہ ڈھاکہ یونیورسٹی ہے''۔(السبیل ص۲۴)

سرکاری سند کی ضرورت: مدارس اسلامیہ کے فنا ہونے کا خطرہ

علامہ بہاری نے تحریر فرمایا۔''اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دور ایام میں جب تک کسی کے ہاتھ میں ایسی سند نہیں جو مصدقہ گورنمنٹ ہو تو خواہ وہ سند کیسی ہی فضیلت سے مشعر کیوں نہ ہو، حکومت اور علم برداران حکومت کی نگاہوں میں وقیع نہیں ہوسکتی، اور اس بے وقعتی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود سند یافتہ اپنے نفس میں کیفیت اعتماد نہ پائے گا، جس کا اثر اس کے قوائے دماغیہ کی علمی بالیدگی کو پژمردہ کردے گا اور تعلیم یافتہ دماغ کے لیے یہ ایک ایسا حادثہ ہوگا، جس پر مجلس علمی سوگوار ہوگی۔ دوسرے یہ کہ مطالبات جسمانی کا انجام جب کہ پورا نہ ہوسکے گا تو لامحالہ شکستہ حالی پیدا ہوکر اسے نمونہ عبرت بنادے گی، اور یہ دونوں اسباب مل کر اس نوعیت تعلیم کو آخر کار فنا کردیں گے۔ اس دور ایام میں بی اے اور ایم اے کے لفظ میں جو اعتماد و اقتدار کہ رائج ہوگیا ہے، وہ کسی لفظ میں بغیر اقتدار بخشیٔ حکومت پیدا کرنا تقریباً ناممکن ہے''۔(السبیل ص۲۳: علی گڑھ)

بعض مدارس اسلامیہ کی سندوں کو بعض عصری جامعات نے قبولیت (Recognisation) دی ہے۔اس کا فائدہ صرف یہ ہے کہ ان سندوں کے ذریعہ ان یونیورسٹیز میں اصحاب سند داخلہ کے مجاز ہوں گے۔حکومتی محکمہ جات میں ملازمت کے لیے اسکول و کالج کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔طلبہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں اور علما و مشائخ غور فرمائیں کہ وہ اپنے شہزادگان کو مدارس عربیہ کی بجائے انگلش میڈیم اسکولوں میں کیوں بھیجتے ہیں؟ اگر مدارس میں مشترکہ نصاب تعلیم نافذ ہو، اور اسکول و کالج کے امتحانات کا نظم ہو تو دین کے ساتھ فارغین مدارس کا دنیاوی مستقبل بھی روشن ہوسکتا ہے۔یہ فارغین مدارس، ان شہزادگان سے بہتر ہوں گے، جو انگلش میڈیم اسکولوں میں تعلیم پا کر دنیاوی علوم تک محدود رہتے ہیں۔ مجھے شہزادگان کی ترقی وفلاح پر بھی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ہاں، دوسروں کی بھلائی کی بھی فکر کی جائے۔

مدارس کے ذمہ داران بھی اپنے بچوں کو مدارس اسلامیہ میں تعلیم کے لیے نہیں داخل کرتے۔آخر مدارس میں کمی کیا ہے؟ کیا اس کمی کو دور کرنا بہت مشکل ہے؟ اگر آسان ہے تو ان خامیوں کو کون دور کرے گا؟ کیا اس خامی کو دور کرنے کے لیے بھی کسی مجدد کی ضرورت ہوگی؟ مدارس کے نظام تعلیم میں کچھ کمی محسوس کرکے اپنے شہزادوں کو مدارس سے جدا رکھتے ہیں، لیکن ان خامیوں کو دور کرنے کا وہ تصور بھی نہیں سکتے۔ اس کی وجہ خودساختہ مفکرین کا خوف ہے۔حالات کا جبری تقاضا ہے کہ صالح فکر علمائے اسلام سر جوڑ کر بیٹھیں اور کوئی حل پیش فرمائیں۔

مسلمانوں کے علوم وفنون انگریزی زبان میں منتقل

دنیا کے تمام مروجہ علوم وفنون پر کبھی مسلمانوں کی اجارہ داری تھی۔اقوام عالم ان علوم وفنون کی تعلیم پانے ہمارے دست نگر اور محتاج تھیں۔ہائے افسوس! عالمی انقلاب اور ہماری حالیہ پست ہمتی نے ہم سے سب کچھ چھین لیا۔حضور اقدس معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشان جو دنیا بھر میں ارباب علم ودانش کے استاذ تھے، آج وہ غیروں کی شاگردی پر فخر وناز کرتے ہیں۔ہم کہاں تھے، کہاں آ گئے۔

علامہ بہاری نے رقم فرمایا۔''بعضوں کا یہ خیال ہے کہ ریاضی کے شعبے فی الحقیقت اسلامک اسٹڈیز کے مصداق ہیں، لہٰذا یونیورسٹی میں اس کی تعلیم کا اجرا اسلامک اسٹڈیز کا درس سمجھا جائے گا۔اس کے متعلق یہ گزارش ہے کہ ریاضی کی کیا خصوصیت ہے، دنیا کا کوئی علم وفن ایسا نہ تھا، جسے مسلمانوں نے سیکھا نہ ہو، اور کچھ اضافہ نہ کیا ہو۔تفصیل کا یہ موقع نہیں۔اگر زمانے کی پریشانیوں سے امان نصیب ہوا تو ملک وقوم کے سامنے کسی وقت پیش کروں گا۔اس وقت صرف اس قدر کہنا ہے کہ ریاضی کی تعلیم یورپ کی زبانوں میں بہت سہولت اور شرح وبسط کے ساتھ منقول ہوچکی ہے، عربی میں اسے پڑھانا کوئی خاص فائدہ نہ دے گا''۔(السبیل ص۴۷: مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ)

ریاضی، ہندسہ، حساب، ہیئت، طب وغیرہ بہت سے علوم وفنون درس نظامی میں شامل نصاب تھے۔اب انہی علوم وفنون کو انگریزی

زبان میں منتقل کردیا گیا ہے۔حسب سابق ان علوم وفنون کی ضرورت اب بھی باقی رہی۔تعلیمی زبان بدل جانے سے کسی علم وفن کی افادیت ختم نہیں ہوجاتی۔ان مضامین کو مدارس اسلامیہ کے نصاب میں شامل کرکے طلبہ کے لیے حکومتی اسکولوں کے متخانات کا بھی نظم کیا جائے۔تعلیمی مسائل: قسط ہفتم (شمارہ فروری ۲۰۱۷ء) میں اس کی تفصیل مرقوم ہے۔اس طرح طلبہ اسلامی ماحول میں رہ کر دونوں تعلیم حاصل کرلیں گے۔

مدارس اسلامیہ میں مذہبی علوم (قرآن وحدیث، فقہ وسیر وغیرہ) کے ساتھ غیر مذہبی علوم (منطق وفلسفہ، ریاضی وہندسہ، نحو وصرف وغیرہ) پڑھائے جاتے ہیں، اور طلبہ ان دونوں قسم کے علوم وفنون کو اپنے ظرف وذہانت اور محنت ومشقت کے مطابق حاصل کرلیتے ہیں، اسی طرح عصری علوم کو بھی حاصل کرسکیں گے۔منطق وفلسفہ میں جو محنت صرف کی جاتی ہے، وہی محنت سائنس وٹیکنالوجی کے لیے صرف کی جاسکتی ہے۔اسکولی تعلیم میں وہی ریاضی، ہندسہ، توقیت وغیرہ جدید طرز پر بزبان انگریزی شامل نصاب ہیں۔انگریزی بھی ہماری مادری زبان نہیں، اور عربی وفارسی بھی ہماری مادری زبان نہیں۔طلبائے مدارس عربی وفارسی کی طرح انگریزی زبان میں بھی علوم وفنون حاصل کرسکتے ہیں۔

علوم وفنون پر مسلمانوں کے احسانات

علامہ موصوف رقمطراز ہیں۔"اس حقیقت کا انکار نہ کیجیے کہ جب مسلمانوں میں حکومت وسلطنت تھی تو باوجود ان تمام تر دشواریوں کے جو تحصیل علم اور اشاعت علم کے لیے ہر قدم پر سنگ راہ تھے، مسلمانوں کی بلند حوصلگی ان سب پر غالب آئی، اور گوناگوں علوم انھوں نے اس طرح حاصل کیے کہ اپنی تحقیقات اور اضافات سے اغیار کے سرمایہ کو بھی اپنی ملکیت بنالیا۔آج یورپ نے مادی ایجادوں کی وساطت سے جب کہ برسوں کے کام گھنٹوں میں انجام دینے کا طریقہ اور راستہ پالیا اور وہ تمام خزانہ معلومات کا جو مسلمانوں کا اندوختہ تھا، مع سلطنت وحکومت کے ان کے ہاتھوں میں آ گیا تو پھر جو کچھ وہ کررہے ہیں، یہ کوئی حیرت انگیز مثال نہیں۔حیرت تو مسلمانوں پر ہے جنھوں نے دائرۂ مذہب میں رہ کر اسلام کے اعمال وارکان کو غایت شغف کے ساتھ تعمیل کرتے ہوئے ایک ہاتھ سے تو اپنے الہامی اور مذہبی علوم کا دریا بہا دیا اور دوسرے ہاتھ سے انسانی اور وضعی علوم کو بحر ناپیدا کنار کے مرتبہ تک پہونچا دیا۔آج ان کی محنت اور دماغی قابلیت کا اگر اقرار نہ کیا جائے تو کم از کم ان کے کمالات پر خاک ڈالنے سے تو ہاتھوں کو بچالیا جائے"۔(السبیل ص ۳۶، ۳۷: مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ)

مفکرین ودانشوران سے دردمندانہ التماس

مدارس اسلامیہ کے لیے مشترکہ نصاب تعلیم مرتب کیا جائے۔تعلیمی مسائل کی قسط یازدہم وقسط دوازدہم میں علامہ سید سلیمان اشرف بہاری قدس سرہ العزیز کی تحریریں ہیں۔یہ تحریریں قریباً ایک صدی قبل لکھی گئی تھیں۔سوسال قبل کی تحریریں بھی وہی بتارہی ہیں، جو آج میں عرض کررہا ہوں۔اگر اسی وقت اصلاح مدارس کی منظم کوشش کی جاتی تو آج مسلمانان ہند موجودہ پوزیشن سے بالاتر ہوتے۔قیل وقال میں ہمارا وقت گذر گیا۔اسی میں ایک صدی گذر گئی۔اب قوم مسلم ایسی سطح پر آ گئی کہ داخلی وخارجی فتنوں نے ان کی عقلوں کو مفلوج کردیا ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ طلبہ دس سالہ فضیلت کورس سے اتنا ہی حاصل کرتے ہیں، جو محض تین چار سالوں میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔جب طلبہ فضیلت کورس کے درمیانی کلاسوں میں پہنچتے ہیں تو وہ باشعور ہوجاتے ہیں اور اپنا تاریک اور مصیبتوں بھرا مستقبل انہیں ستانے لگتا ہے۔تلخ حقائق ان کے سامنے ہوتے ہیں اور اساتذہ طفل تسلیوں سے انہیں مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔اب ان پر وعظ ونصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔اگر اس وقت بعض طلبہ پر اساتذہ کی تقریر وتلقین اثر انداز ہو بھی جاتی ہے تو عملی میدان میں آنے کے بعد وہ بھی گھبرانے لگتے ہیں۔تلقین ونصیحت کی بجائے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی جائے۔پلی درس (Palli Dars) کو بھی فروغ دیا جائے۔اس کی تفصیل قسط دہم میں مرقوم ہے۔

بدمذہبوں کی مشترکہ تعلیم گاہیں اور ہماری بے توجہی

عہد حاضر میں بدمذہبوں کے متعدد اسلامی مدارس میں مشترکہ نصاب تعلیم جاری ہے۔ بعض سنی طلبہ ان مدارس میں تعلیم کے نام پر داخل ہو جاتے ہیں، پھر اکثر طلبہ صحبت بد سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ایسی تعلیم سے عدم تعلیم ہی بہتر ہے۔ اب جدید تعلیم گاہوں کے قیام میں قوت صرف کرنے کی بجائے موجودہ تعلیم گاہوں میں جدت وجودت لانے کی فکر کی جائے۔ ارباب مدارس سے خاص توجہ کی گذارش ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدارس اسلامیہ کے فارغین جب تعلیم کے لیے یونیورسٹی جاتے ہیں تو ان کا ظاہر وباطن سب کچھ بدل جاتا ہے۔ دراصل احساس مرعوبیت کے سبب یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ فارغین اپنی تعلیم گاہوں میں اسلامیات ودینیات تک محدود رہتے ہیں۔ یونیورسٹیوں میں جا کر عصری علوم وفنون اور اس کی دنیاوی افادیت پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ احساس کمتری کے شکار ہو جاتے ہیں، پھر وہ اپنا سب کچھ بدل دینا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اسلامی تعلیم گاہوں میں علوم عصریہ کو شامل نصاب کر دیں اور ہمارے طلبہ بھی بی اے، ایم اے وغیرہ ڈگریاں مدارس کے کیمپس میں حاصل کرنے لگیں تو وہ ہرگز مرعوبیت کے شکار نہ ہوں گے۔ مدارس اسلامیہ کو فاصلاتی یونیورسٹیز کا سنٹر بنا کر بی اے اور ایم اے کے امتحانات دلائے جا سکتے ہیں۔ اوپن اسکول کا سنٹر بنا کر میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات دلائے جا سکتے ہیں۔

ریاست کیرلا میں سمستھا کیرلا (سنی جمیعۃ العلما) کے زیر انتظام قریباً 65: دعوہ کالج ہیں، جس میں دینی ودنیاوی دونوں تعلیم دی جاتی ہے۔ کیرلین طلبہ مشترکہ نصاب تعلیم پڑھ لیتے ہیں، جبکہ شمالی ہند کے طلبہ ان سے زیادہ محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں، پھر اہل شمال کیوں مشترکہ نصاب تعلیم نہیں پڑھ سکتے؟ ریاست کیرلا جیسی چھوٹی سی ریاست میں 65: دعوہ کالج کا وجود مشترکہ طرز تعلیم کی قبولیت عامہ کو ظاہر کرتی ہے۔

تعلیمی مسائل کی قسطوں کی تفصیل

ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے شماروں میں شائع شدہ تعلیمی مسائل کی بارہ قسطوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مئی ۲۰۱۶ء (قسط اول: دینی وعصری علوم میں تفریق کب ہوئی؟) ☆ جولائی ۲۰۱۶ء (قسط دوم: علوم اسلامیہ وعلوم عصریہ کا امتزاج)

ستمبر ۲۰۱۶ء (قسط سوم: نصاب تعلیم کی تجدید کاری: اسباب وعلل) ☆ اکتوبر ۲۰۱۶ء (قسط چہارم: انبیائے کرام اور علوم عصریہ)

نومبر ۲۰۱۶ء (قسط پنجم: انسانی فطرت پر اثر انداز عوامل) ☆ جنوری ۲۰۱۷ء (قسط ششم: طلبائے مدارس اور فاصلاتی تعلیمات)

فروری ۲۰۱۷ء (قسط ہفتم: جدید نصاب تعلیم برائے مدارس اسلامیہ) ☆ اپریل ۲۰۱۷ء (قسط ہشتم: پیشہ ورانہ تعلیمات)

اگست ۲۰۱۷ء (قسط نہم: میڈیکل سائنس کے تعلیمی پروگرام) ☆ جنوری ۲۰۱۸ء (قسط دہم: پلی درس: Palli Dars)

فروری ۲۰۱۸ء (قسط یازدہم: علوم عصریہ اور اسلاف کرام) ☆ مارچ ۲۰۱۸ء (قسط دوازدہم: جمہوری ممالک میں مسلمانوں کا نظام تعلیم)

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا

تعلیمی مسائل کے مضامین بارہ قسطوں میں سپرد قوم ہو چکے ہیں۔ استاذ عالی المراتب خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ الاقدس ناظم تعلیمات: الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور) سے بصد ادب عرض ہے کہ ممدوح گرامی غور وفکر کے بعد مدارس اسلامیہ (ہند) کے لیے کسی قابل عمل صورت کی نشاندہی فرما دیں۔ استاذ موصوف قریباً چالیس سالوں سے ازہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور) میں تعلیم وتدریس کے ساتھ تعلیمی امور کے انتظام وانصرام سے بھی منسلک ہیں۔ یقیناً اس طویل مدت میں انہیں وسیع تعلیمی تجربات حاصل ہوئے ہیں۔ اس باب

میں استاذ موصوف کا قول اصاغرین کے لیے ''قول فیصل'' کی منزل میں ہوگا، اور اکابرین کی توجہ کو اس جانب مبذول کرنے والا ہوگا۔

ملک ہند کے عظیم دینی مدارس میں دو مستقل شعبہ قائم ہونا چاہئے۔ایک شعبہ قدیم نصاب تعلیم کا ہو، اور ایک شعبہ مشترکہ نصاب تعلیم کا۔ ہر طالب علم اپنے پسندیدہ شعبہ کا انتخاب کرلے۔اس طرح مدارس اسلامیہ سے عالم وفاضل کے ساتھ قومی قائد ورہنما بھی برآمد ہوں گے۔ استاذ گرامی حضرت مصباحی صاحب قبلہ جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) کے بااختیار ناظم تعلیمات ہیں۔وہ عملی اقدام کی کوشش فرما سکتے ہیں۔استاذ رفیع الدرجات حضور محدث کبیر دامت برکاتہم العالیہ جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) کے بانی وسربراہ ہیں۔وہ جہاں دیدہ، عظیم مدبر اور زمانہ شناس ہیں۔غور وفکر فرما کر قوم کو اپنا نظریہ بھی بتا سکتے ہیں اور عملی اقدام کی بھی گنجائش موجود ہے: ع/ کشتی تمہیں پہ چھوڑی، لنگر اٹھا دیئے ہیں!!!

قوم مسلم اور غیر آرین اقوام کو اپنا محکوم وغلام بنانے کے واسطے ''برہمن واد'' میدان میں اتر چکا ہے۔عصر حاضر میں برہمن واد کو ''ہندوتوا'' کا نام دیدیا گیا، تاکہ غیر آرین ہندوقومیں بھی برہمنی اقتدار کے قیام کی کوشش کریں۔غیر آرین ہندوؤں نے اصل مقصد کو بھانپ کر بغاوت کر دیا اور وہ برہمن واد سے محفوظ رہنے کے واسطے منظّم تحریکیں چلا رہے ہیں۔قوم مسلم کے قدرتی رہنما یعنی علمائے اسلام حقائق سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔مرکزی مدارس ومرکزی خانقاہوں میں چند علما ودانشوران ملکی حالات پر نظر رکھنے اور قوم کو صالح راہ پر لگانے کے واسطے مقرر ہونے چاہئے۔موجودہ حالات میں سیاسی سطح پر قوم مسلم وغیر آرین اقوام کا اتحاد وقت کی ضرورت بن چکا ہے۔مخلوط مجالس میں مرکزی شخصیات کا جانا مناسب نہیں۔مقرر کردہ علما ودانشوران ہماری نمائندگی کے لیے بوقت ضرورت ان مجالس میں بھیجے جا سکتے ہیں۔مفتیان کرام غور وفکر کریں۔

تحفظ ناموس رسالت کی خاطر تعلیمی مسائل کی قسطیں موقوف

افسوس صد افسوس کہ بعض حرماں نصیبان ہند ہمارے اور ہمارے خدا کے حبیب حضور اقدس تاجدار مرسلین علیٰ رسولنا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے بےادبوں کی تائید وطرفداری میں قلابازیاں کھا رہے ہیں۔رب تعالیٰ نے ناموس مصطفوی کی حفاظت کے لیے جو مستحکم آہنی فصیل تعمیر فرمائی ہے، بدنصیبان ہند اس سے اپنا ناپاک سر ٹکرا رہے ہیں اور امت مسلمہ کے ایمان پر خطرہ منڈلانے لگا ہے، اس لیے تعلیمی مسائل کا سلسلہ موقوف کر کے پاسبانی ناموس مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خاطر ایک طویل سلسلہ شروع کرنے کا عزم کیا ہوں: واللہ الہادی وہو المستعان

ارباب شوق واصحاب ذوق تعلیمی مسائل کے بارہ برجوں میں گشت لگاتے رہیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بارہ مضامین قوم مسلم کی صالح رہنمائی کو کافی ہوں گے۔رب تعالیٰ کی مرضی مبارک ہوئی تو یہی بارہ قسطیں خدا کی رحمتیں لے کر آئیں گی: وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ

سال ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء میں خاکسار نے پاسبانی ناموس رسالت کی خاطر اکابرین اہل سنت وجماعت کی اجازت سے حسام الحرمین کی تصدیق جدید کا سلسلہ شروع کیا تھا، جو آج تک جاری ہے۔تصدیقات جدیدہ کا مجموعہ انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کر دیا گیا ہے۔اسی موقع پر عربی زبان میں ایک کتاب ''البرکات النبویۃ فی الاحکام الشرعیۃ'' کے نام سے ترتیب دیا تھا۔اس میں اصول تکفیر، اسماعیل دہلوی کے کفر فقہی اور مسلک دیوبند کے اشخاص اربعہ کے کفر کلامی سے متعلق سوالوں کے جواب مرقوم ہیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی بھی اشاعت ہوگی۔

گر قبول افتد: زہے عز وشرف

حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی صلاح وفلاح کے قصد سے بتوفیق الٰہی تعلیمی مسائل کے قسط وار مضامین نقش بر قرطاس کیا۔جو میں نے بھلا سمجھا، وہ سپرد قوم کیا اور امید واثق کہ حضور اقدس تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو اس دریوزہ گر کے لیے بھلا ہوگا، عطا فرمائیں گے: ع/ گر قبول افتد، زہے عز وشرف!!! وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم

خضر راہ

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے؟

از: مولانا اشرف جیلانی، جامعہ قادریہ حیات العلوم، شہزاد پور (اکبر پور: یوپی)

جیسے ہی حج سبسڈی ختم کرنے کا اعلان ہوا، " گودی میڈیا" میں ایک زبردست بھونچال دیکھنے کو ملا۔ میڈیا نے عوام کو یہ باور کرانے کی بھرپور کوشش کی کہ اب تک کی تمام سیکولر پارٹیاں قحط، تعلیم اور صحت جیسے بنیادی ڈھانچوں کو مظبوط بنانے کی بجائے ٹیکس دہندگان کی بڑی رقم مسلمانوں پر لٹا رہی تھیں، جسے اب مودی حکومت نے ختم کر دیا ہے، حالانکہ ۲۰۱۲ء میں ہی عدالت کا ایک فیصلہ آیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ حج سبسڈی کو تدریجاً ۲۰۲۲ء تک ختم کیا جانا چاہیے، جب کہ " گودی میڈیا" اس کا سارا کریڈٹ مودی حکومت کے سر سجا رہی ہے۔ آخر مودی حکومت نے حج سبسڈی ختم کرنے کا فیصلہ اتنی عجلت میں کیوں لیا؟ عدالت کے حکم کے مطابق ابھی چار سال باقی تھے۔ اس کا جواب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ کچھ ہی دنوں میں ہندوستان کے تین صوبوں میں الیکشن ہونے ہیں، جس کا فائدہ حکومت ہندو سماج کی منہ بھرائی کر کے بروقت اٹھانا چاہتی ہے۔

حج سبسڈی کے تعلق سے مسلم اشرافیہ نے بہت پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ ہم نے نہ کبھی حج سبسڈی کی مانگ کی ہے اور نہ ہی یہ سبسڈی کی کچھ ضرورت ہے تو پھر کانگریس نے اسے مسلمانوں پر کیوں تھوپا؟ دراصل کانگریس کی کچھ مجبوریاں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اس وقت تیل کا عالمی بحران پوری دنیا میں تھا۔ ہوائی جہاز کا کرایہ کافی زیادہ ہونے کی وجہ سے ایرانڈیا کا دیوالیہ نکل چکا تھا، اس طرح سے حجاج کرام سے کرایہ کے نام پر موٹی رقم وصول کی جاتی اور ایرانڈیا کے بطن عمیق میں ٹھونس کر اس کی شکم سیری کا سامان مہیا کیا جاتا تھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حج سبسڈی کی رقم حاجی کو براہ راست نہیں، بلکہ ایرانڈیا کے کھاتے میں منتقل کی جاتی رہی اور ایرانڈیا کمپنی کے نان ونفقہ کا انتظام حاجیوں کی سبسڈی کے ذریعہ کیا جاتا رہا، جسے شدت پسند لوگوں نے مسلمانوں کی خوشامد اور چاپلوسی سے تعبیر کیا۔ دوسری مجبوری سبسڈی کے تعلق سے یہ ہو سکتی ہے کہ ایمرجنسی کے دور میں جب حکومت خطرے میں پڑی تو مسلم ووٹ کو اپنے حق میں متحد کرنے کے لیے اندرا گاندھی نے حج سبسڈی کا کھلونا مسلمانوں کے ہاتھ میں تھما دیا۔

" گودی میڈیا" کا سب سے متعصّبانہ پہلو یہ سامنے آیا کہ وہ حج سبسڈی کو مسلمانوں کی خوشامد اور غیر قانونی عمل قرار دے رہا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ ایک سیکولر حکومت میں کسی خاص طبقے کے مذہبی سفر کے لیے سرکاری خزانے سے رقم مختص کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مذہبی سفر کے لیے صرف مسلمانوں پر ہی پیسے خرچ کیے جاتے ہیں؟ جبکہ ہندو، عیسائی، سکھ کی یاترا اور دیگر مذہبی تقریبات میں حکومت سرکاری خزانے سے دل کھول کر پیسے خرچ کرتی ہے۔ ہندوؤں کے چار بڑے کمبھ میلے جو کہ ہری دوار، الہ آباد، اجین اور ناسک میں منعقد ہوتے ہیں، اس میں حکومت جتنی بھی سہولیات اور انتظامات مہیا کرتی ہے، وہ سرکاری فنڈ سے کرتی ہے۔

اسی طرح مرکزی حکومت کیلاش مان سروور یاترا کا پورا انتظام خود کرتی ہے، جس میں ایک شخص پر ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں۔

ایک مثال الہ آباد کمبھ میلے کی بھی دی جاسکتی ہے۔ایک سال کے کمبھ میلے کا خرچ بارہ سو کروڑ روپیے ہے،جس میں حکومت سرکاری فنڈ سے خرچ کرتی ہے۔اس کے علاوہ دوسری یاترائیں جیسے امرناتھ، گورکھ ناتھ، ایودھیا وغیرہ میں سرکاری اخراجات بہت زیادہ ہیں۔لیکن گودی میڈیا کو حج سبسڈی کی دو سو کروڑ رقم مذکورہ دیگر مذاہب کے لیے مختص رقم کے مقابلہ میں کافی زیادہ نظر آتی ہے۔

ملک کا مین اسٹریم میڈیا اس بات پر کیوں خاموش ہوجاتا ہے کہ دہلی سے جدہ کا کرایہ عام دنوں میں پچیس سے تیس ہزار ہوتا ہے، پھر وہی کرایہ حج کے ایام میں 55 سے 60 ہزار تک کیسے پہونچ جاتا ہے؟ میڈیا اس بات پر کیوں خاموشی اختیار کرلیتا ہے کہ حاجی صرف ایرانڈیا کی فلائٹ سے جانے پر مجبور ہوتا ہے، کیوں نہیں گلوبل ٹینڈر پاس کرکے دوسری کمپنیوں کو موقع دیا جاتا؟ دیگر مذاہب کی مذہبی تقریبات یا اسفار پر سرکاری خزانے سے ہونے والے اخراجات کو کیوں چھپایا جاتا ہے؟ صحیح بات تو یہ کہ موجودہ حکومت سب کا ساتھ سب کا وکاس نہیں بلکہ کچھ کا وکاس کچھ کا وناش چاہتی ہے، تاکہ ہندو راشٹر کے سفر کو اور آگے بڑھا سکے۔ بڑھتی مہنگائی، بے روزگاری اور حکومت کی ناکامی کو چھپانے کے لیے طرح طرح کے پروپیگنڈے کیے جارہے ہیں۔

آخر قصور کی بیٹی کا کیا قصور تھا؟

4: جنوری ۲۰۱۸ء کو پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر قصور کی ایک چھ سالہ ننھی بچی زینب جب قرآن پڑھنے کے لیے گھر سے نکلی تو ایک ہوس پرست اور شیطان صفت انسان نے اسے بہلا پھسلا کر اس کی عصمت دری کردی، پھر قتل کرکے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ پورے پاکستان میں اس کے خلاف احتجاجی مظاہرے ہونے لگے۔تمام ٹی وی چینل پر اس واقعہ کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کیا گیا، یہاں تک کہ پاکستان کے سماٹی وی کی اینکر کرن ناز نے اپنی شیر خوار بچی کو گود میں لیکر اس خبر کو نشر کیا۔ٹھیک اسی طرح دہلی کی 22: سالہ طالبہ نربھیا کا معاملہ جب سامنے آیا تو ہر طرف غم وغصہ کا اظہار کیا گیا اور مجرم کے خلاف لوگ طرح طرح کی سزائیں تجویز کرنے لگے، یہاں تک کہ ایک سخت گیر غیر مسلم سیاست داں نے کھلے لفظوں میں کہہ دیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اسلام کی مقرر کردہ زنا کی سزا نافذ کریں۔

یہ سوچنے کی بات ہے کہ آخر زینب کا قصور کیا تھا؟ کیا اس کا یہ قصور تھا کہ وہ تنہا قرآن پاک پڑھنے کے لیے گھر سے نکلی تھی؟ کیا اس کا یہ قصور تھا کہ وہ حد درجہ کمسن اور ناسمجھ تھی، یا وہ ہوس پرست انسان کو پہچان نہ سکی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ قصور، شہر قصور کی بیٹی زینب کا نہیں، بلکہ اس لبرل اور بے حیا معاشرے کا قصور ہے جس نے شیطان صفت زانیوں کی پرورش کی ہے۔قصور اس اپاہج اور مفلوج ذہنیت کا ہے جو اسلامی نظام قانون کو سخت گیر کہہ کر اس کا مذاق اڑا رہی ہے، بلکہ قصور اس قانون کا ہے جو کمزوروں کو پل بھر میں تختہ دار پر چڑھا دیتا ہے اور سفید پوش خاطیوں تک اس کے لمبے ہاتھ نہیں پہنچ پاتے۔

جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں فیصل آباد اور لاہور کے اندر اسی قسم کے دو واقعات رونما ہوئے تھے تو اس وقت کی حکومت نے کافی تیزی دکھاتے ہوئے دونوں مجرموں کو میدان میں کھلے عام پھانسی دے دی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کافی دنوں تک اس طرح کے واقعات دیکھنے کو نہیں ملے۔اگر ہم نے بے توجہی دکھلائی تو ہندو پاک میں ہزاروں زینب اور نربھیا موت کے منہ میں جاتی رہیں گی۔

عصر حاضر میں سائنس وٹیکنالوجی دیکھ کر دنیا کی ترقی کا احساس ابھرتا ہے۔جا بجا اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کی کثرت ہمیں ایک حوصلہ عطا کرتی ہے، لیکن اخلاقی پستی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم انسانیت کے دائرہ سے باہر ہوتے جارہے ہیں۔دنیا کی ہر قوم نے تعلیم کو ترجیح دی ہے۔لوگ علم وفن کے حصول کے لیے تگ ودو کررہے ہیں۔انسانی اخلاق وکردار روز بروز انحطاط پذیر ہوتا جارہا ہے۔اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دی جارہی ہے۔ہم تعلیمی ترقی پر خوشی کے اظہار کے ساتھ اخلاقی پستی کی سخت مذمت کرتے ہیں۔

دستور ہند میں تبدیلی کی منصوبہ بند سازش

مولانا شاداب امجدی گھوسی: دارالعلوم فیضان غوث اعظم (اولپاڑ: سورت)

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا ایک ایسا آئین جو اس ملک میں سکونت پذیر تمام اقوام و مذاہب کو اس کے حقوق فراہم کر رہا ہے، بلکہ One man one vote کے نظریے کے حامی آئین نے ہر فرد کو طاقتور بنا دیا ہے۔ ہندوستان میں مختلف مذاہب کے پیروکار اور مختلف تہذیب و تمدن اور کلچر کے لوگ آباد ہیں جنہیں دستور کی رو سے مکمل مذہبی اور ثقافتی آزادی حاصل ہے۔

عہد حاضر میں بی جے پی، آر ایس ایس اور ان کی ذیلی تنظیموں کے کارکنان کے افکار و خیالات اور ان کی منصوبہ بند سازشیں ''دستور ہند'' پر خطرے کا بادل بن کر منڈلا رہی ہیں۔ یہ لوگ ہندوستان کو ایسے نظام کا پابند کرنا چاہتے ہیں جہاں صرف اکثریتی طبقے کا راج ہوگا۔ آر ایس ایس کا ہندو وادی نظریہ اور ''ہندی، ہندو، ہندوستان'' جیسے نعرے اقلیتی طبقوں کی حیرانی و پریشانی کا سبب بن رہے ہیں اور رہ رہ کر یہ باتیں کھٹک رہی ہیں کہ کیا مستقبل میں سنگھ پریوار ملک کے آئین کو پس پشت ڈال کر بھارت کو ''ہندوراشٹر'' بنانے والا ہے؟ کیا ملک میں جبری طور پر ''منوسمرتی'' کا قانون نافذ ہونے والا ہے؟ کیا اب محبّ وطن ہونے کے لیے ''وندے ماترم'' کا نعرہ لگانا ضروری ہوگا؟

یہ تمام حالات اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ یہ شر پسند عناصر ملک عزیز میں امن وسکون کی فضا کو مکدر کرنا چاہتے ہیں، مگر ان کے یہ ناپاک منصوبوں کے خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتے جب تک ملک Constitution کے اصولوں پہ چلے گا۔ آئین ہند کی دفعات ان کے پیروں کی بیڑیاں بنی ہوئی ہیں اور انہیں منزل تک پہنچنے سے روک رہی ہیں، اس لیے ان شر پسندوں نے ایک منظّم سازش رچی کہ دستور ہند ہی کو بدل دیا جائے اور پھر اس مذموم فکر کا اظہار بھی وقتاً فوقتاً ان کے لیڈران کرنے لگے۔ اسی بات کو سمجھاتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر رام پنیانی نے 15 جنوری ۲۰۱۸ء کو جاری اپنے ایک ویڈیو بیان میں کہا کہ ۱۹۹۸ء میں اٹل بہاری واجپئی نے ''وینکٹ چلیا کمیشن'' نام کا ایک کمیشن سمودھان (دستور) کی سمکشا (بدلاؤ) کے لیے بنایا، مگر لوگ اس بات سے فکرمند تھے کہ دستور ہند میں کسی بھی طرح سے بدلاؤ نہیں ہونا چاہئے، اس لیے اس تحریک کو زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، اور یہ کام اسی وقت روک دیا گیا اور رپورٹ بھی دبا دی گئی۔

موجودہ وزیر اعظم نریندر مودی نے ۲۰۱۴ء کے عام انتخابات کی ریلیوں میں یہ بات کہی تھی کہ وہ ایک ہندوراشٹر وادی ہیں۔ ان ہی دنوں (۲۰۱۴ء میں) اتر پردیش کے موجودہ وزیر اعلیٰ آدیتیہ ناتھ یوگی نے بھی کہا تھا کہ ''سیکولر لفظ آزاد ہندوستان کا ایک سب سے بڑا جھوٹ ہے'' اور اس کے بعد ہیگڑے کا بیان سامنے آتا ہے۔ (جس کو ہم بیان کریں گے)

آخر میں پروفیسر رام پنیانی نے یہ کہتے ہوئے اپنی بات ختم کی کہ ''ان نظریات کو دیکھتے ہوئے ہمیں پوری کوشش کرنی چاہئے کہ اس طرح کی سیاست ہمارے سماج میں کامیاب اور کارگر نہ ہو''۔

دہلی کے وزیر اعلیٰ اروند کیجروال نے 14 جولائی ۲۰۱۷ء کو امبیڈکر جینتی کے ایک پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''آج موجودہ سرکار اور RSS کے سربراہ کہتے ہیں کہ ریزرویشن پر دوبارہ بحث ہونی چاہئے، یعنی آئین ہند میں کچھ ترمیم و تنسیخ ہونی چاہئے اور ہم یہ ہرگز برداشت نہیں کرنے والے اور نہ ہی یہ ملک برداشت کرنے والا ہے۔ بہت سالوں کی جدوجہد اور برسوں کی لڑائی کے بعد یہ ملک آزاد ہوا ہے اور آزادی کے بعد ہمیں یہ دستور ملا ہے، لہٰذا ہم اس دستور کے لیے جان کی بازی لگا دیں گے، لیکن اس کے خلاف کوئی کام نہیں ہونے دیں گے''۔

موجودہ کانگریسی صدر راہل گاندھی نے 17: اگست ۲۰۱۷ء کو اپنے ایک بیان میں بتایا کہ ''آر ایس ایس ہندوستان کے ہر Institution اور ہر Department میں اپنے لوگوں کو لگا رہی ہے، اور ان کا آخر میں ایک ہی مقصد ہے کہ Constitution میں یہ لکھا ہے کہ ''ہندوستان کے ہر باشندے کو ووٹ کا حق ملے گا،، اور اسی کو ختم کرنا RSS کا مقصد اصلی ہے، اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ جب تک ہندوستان میں One man One vote کا پاور رہے گا، اس وقت تک یہ دیش ان کا نہیں ہوسکتا اور ہم ان کو اس مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے''۔

یکم اکتوبر ۲۰۱۷ء کو بھاجپا کے سابق تنظیمی وزیر اور RSS سے قریبی رشتہ رکھنے والے K.N. گونداچاریہ کا ''قومی آواز،، کو دیا گیا انٹرویو بھی کافی دلچسپی کا حامل ہے۔ اس سے سوال کیا گیا کہ ''آپ آئین کو پھر سے لکھے جانے کی ضرورت کیوں محسوس کر رہے ہیں؟ اور آپ کو اس آئین سے اعتراض کیا ہے''؟ جواب دیا کہ ''ہمارا آئین فردیت کو فروغ دیتا ہے اور فردیت ہندوستانی نظام اقدار کے خلاف ہے۔ ہمارا آئین فرد اور ریاست کے رشتوں کو متعارف کرنے والا دستاویز ہے۔ ہمارے ہندوستانی نظام کے اہم پہلو جیسے ذاتیاتی نظام، پنچایتی نظام اور کمیونٹی کا اس میں کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ فردیت مغربی نظریہ ہے، اسے ہندوستانی آئین کے بنیادی تصور کی شکل میں قبول نہیں کیا جاسکتا۔ آئین کی ازسرنو تحریر، فیملی آرگنائزیشن اور ہندوستانی اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جانا چاہئے''۔

ایک اور سوال کہ ہندوستان کے آئین میں آپ کیا بدلنا چاہتے ہیں؟ تو جواب دیا کہ ''بہت کچھ باتیں ہیں جنہیں بدلنا ہے جیسے، ایک فرد، ایک ووٹ (One man one vote) کا قانون بھی ہمارے آئین میں آنکھ بند کر کے اختیار کیا گیا ہے، اسے بدلنے کی ضرورت ہے، اس کی وجہ سے عوام ووٹ بینک میں تبدیلی ہوگئی ہے اور معیار متاثر ہوا ہے۔ دفعہ 370 جیسی چیزوں کو بھی بدلنے کی ضرورت ہے۔ آئین کا پیش لفظ (جمہوریت) پوری طرح سے ہندوستانی اقدار کے خلاف ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے آئین میں سیکولرزم (جمہوریت) اور سوشلزم جیسے الفاظ کو جوڑنے کی ضرورت کیا تھی؟''۔ اور آگے گونداچاریہ نے یہ بھی کہا کہ ''ہندوستان کے اعتبار سے سیکولرزم کا مطلب ہندوؤں کی مخالفت اور اقلیتوں کی اندھی حمایت ہے، اس لیے جتنا جلد ہوسکے، اس لفظ سے چھٹکارا پالینا چاہئے۔

''قومی آواز'' کی ویب سائٹ www.qaumiawaz.com پر موجود تفصیلی انٹرویو کے یہ چند اقتباسات تھے۔ آپ بآسانی اندازہ لگاسکتے ہیں کہ کس طرح یہ لوگ آئین ہند کو بدلنے کی کوشش میں ہیں اور کس تنگ نظری کے ساتھ مسلمانوں اور دوسرے اقلیتی طبقوں سے ووٹ کا پاور چھین کر کے ان تمام کو پھر سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں۔

جنوری ۲۰۱۷ء میں مغربی بنگال کے بیربھوم ضلع میں پروین توگڑیا اور جگل کشور وغیرہ کے ذریعہ اشتعال انگیز بیان سامنے آیا تھا، جس کے بعد مغربی بنگال کی چیف منسٹر ممتا بنرجی نے سخت Notice لیتے ہوئے بھاجپا اور RSS کو دھمکی دی کہ ''وہ جبری تبدیلی مذہب کے خلاف سخت کاروائی کریں گی'' اور چیلنج کیا کہ ''وہ سیکولر ہندوستانی دستور میں ترمیم کر کے دکھائے''۔

اب ان سب کے بعد RSS کے رکن اور بھاجپا کے ممبر آف پارلیمنٹ اور مودی سرکار میں کیبینٹ وزیر اننت کمار ہیگڑے (Union Minister Of Skil Development and Entrepreneurship) کا متنازعہ بیان آتا ہے۔ کرناٹک میں یووابرہمن سبھا سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ''بی جے پی اقتدار میں اس لیے آئی ہے، تاکہ ہندوستان کا دستور بدل سکے'' اور ساتھ ہی انہوں نے سیکولر لفظ کا بھی مذاق اڑایا۔ اننت کمار ہیگڑے کے اس بیان کے بعد سیاسی گلیاروں میں ہلچل مچ گئی، اور تمام سیاسی پارٹیوں نے جم کر اس بیان کی مخالفت کی۔ پالیامنٹ میں بھی اس بیان کی خوب مخالفت کی گئی اور اننت کمار ہیگڑے کے استعفیٰ کا مطالبہ کیا گیا۔ ہیگڑے کے اس بیان کے رد میں سینئر صحافی اور Old Boys Association علی گڑھ کی وائس پریسیڈنٹ عارفہ خانم شیروانی

نے اپنا ایک بیان دیا کہ ''یہ پہلی بار نہیں، اور یہ پہلا شخص نہیں، بلکہ اس سے بھی پہلے RSS کے دوسرے پدادھیکاریوں کے ذریعہ بیان آچکا ہے، جس میں کہا گیا کہ بھارت میں رہنے والا ہر آدمی ہندو ہے، یا دستور کو لے کر بھی ہم اکثر طرح طرح کی باتیں سنتے رہتے ہیں، پھر بھی یہ ایسے لوگ ہیں جو اقتدار میں نہیں ہیں، اوران کے پاس وہ پاور نہیں ہے کہ وہ واقعی دستور کو بدل سکیں، لیکن یہاں مودی سرکار کا وزیر یہ بات کہہ رہا ہے تو کیا یہ کہا جائے کہ مودی سرکار کے منتری کے ذریعہ ہمیں مودی سرکار کی منشا بھی پتہ چل رہی ہے۔

آگے انہوں نے بتایا کہ ۱۹۷۳ء میں سپریم کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں کہا تھا کہ جو بھارت کے Basic Featurs (بنیادی ڈھانچے) ہیں ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہی اس کو بدلا جاسکتا ہے۔ اگر چہ کوئی Majority Goverment ہو، یعنی ایک ایسی حکومت جو واضح اکثریت سے بنی ہو، اس کے باوجود بھی وہ حکومت اس دستور کو نہیں بدل سکتی، لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں یہ فکر ضرور لاحق ہوتی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ۲۰۱۹ء کے الیکشن آنے تک بی جے پی اس طرح کی کوئی چناوی ٹرک اور چال چلے۔

Ambedkarite party of India کے پریسیڈنٹ وجے مانکر نے بی جے پی کو چیلنج کرتے ہوئے کہا کہ ''اگر یہاں کے مسلمانوں اور سکھوں یا دیگر OBC طبقوں کے ساتھ کچھ غلط کیا گیا، یا بھارت کے Act کو غلط ڈھنگ سے بدلنے کی کوشش کی گئی تو چیلنج سے کہہ رہا ہوں بی جے پی اور مودی سن لیں! آپ کی گورنمنٹ کو انڈیا میں الٹا لٹکا دوں گا اور یہ Openly کہہ رہا ہوں''۔

ہیگڑے کے اسی متنازع بیان کے خلاف 26: جنوری ۲۰۱۸ء کو ممبئی میں حزب مخالف کی تمام پارٹیوں نے مل کرز بردست احتجاجی ریلی نکالی، جس میں شرد یادو، شرد پوار، ابوعاصم اعظمی، گجرات کے نوجوان لیڈر ہاردک پٹیل اور جگنیش میوانی سمیت این سی پی، کانگریس، سماجوادی اور دوسری پارٹیوں کے کارکنان موجود تھے، جس میں حکومت کو یہ باور کرایا گیا کہ ہم دستور ہند کے تحفظ کے لیے متحد ہیں اور کسی بھی صورت میں دستور کو بدلنے نہیں دیں گے۔ ان سب کے علاوہ ملک بھر میں متعدد جگہوں سے سیاسی لیڈران اور قائدین نے ہیگڑے کے خلاف بیان دیا اور استعفیٰ کا مطالبہ کیا۔

ہیگڑے کے اس بیان کے بعد یوپی کے بلیا ضلع سے بیریا سیٹ سے .M.L.A سریندر سنگھ کا بیان آیا، جس میں اس نے ساری حدوں کو پار کرتے ہوئے کہا کہ ''۲۰۲۴ء میں RSS کے قیام کو پورے سوسال ہوجائیں گے، اوراس وقت تک ہندوستان پوری طرح ہندو راشٹر بن جائے گا، اور ملک میں صرف وہی مسلمان رہ پائیں گے جو بھارتی سنسکرتی کو اپنائیں گے۔ اگر چہ اس بیان کے بعد بی جے پی نے صفائی دی کہ ان کی نجی رائے ہوسکتی ہے۔ یہ پارٹی کی رائے نہیں، مگر پھر بھی دل اس بات کو قبول نہیں کرتا اور بار بار ذہن میں یہ بات آتی ہے۔

ع/ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ان تمام متنازع بیانات اوران کے خلاف کیے گئے ردعمل کا تجزیہ کریں تو یہ بات بالکل صاف نظر آتی ہے کہ ''سب کا ساتھ سب کا وکاس'' کا ماسک لگا کر ایک بھیانک چہرے کو چھپایا گیا ہے۔ منظم طریقے سے اقلیتوں کے حقوق سلب کرنے کے لیے جال بچھایا گیا ہے اور دوسری طرف اکثریتی طبقہ کافی حد تک ان کے دام فریب میں آچکا ہے، اس لیے اب مسلمانوں کو بھی بیداری لانے کی ضرورت ہے، تاکہ مکمل حکمت ودانائی اور فراست کے ساتھ ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملایا جاسکے۔ مسلمانوں کی خموشی سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اپنے مستقبل کی کچھ فکر نہیں۔ چند لیڈر میدان میں ہیں، لیکن وہ ساری قوم کا بوجھ اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھا سکتے۔ اس کے لیے ساری قوم کو جاگنا ہوگا۔ اپنے لیڈروں کا تعاون کرنا ہوگا۔ خیر وشر کو سمجھنا ہوگا۔ ہماری مذہبی آزادی سلب کرنے کی بھی کوشش بہت پہلے سے ہورہی ہے۔ لوگوں کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ پوشیدہ عزائم کی حفاظت کی جاتی ہے، لیکن جب ظاہر کیا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ اب وقت قریب ہو چکا ہے۔

گلدستے پر یک جہتی لکھ رکھا ہے گلدستے کے اندر کیا ہے سچ بولو (راحت اندوری)

جاگنا ہے جاگ لو افلاک کے سائے تلے

ماہنامہ پیغام شریعت: ماضی کے حالات اور مستقبل کے عزائم

طارق انور مصباحی (کیرلا)

ماہ مارچ ۲۰۱۸ء کا شمارہ جلد سوم کا آخری شمارہ ہے۔ حالیہ سالوں میں نہ ملکی حالات قابل مدح ہیں، نہ مذہبی احوال طمانیت بخش۔ سیاسی، سماجی ومعاشی سطح پر ملک واہل ملک انتہائی کربناک حالات سے گذر رہے ہیں، یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں۔ ارباب اقتدار خود کو اہل ملک کا منتخب نمائندہ سمجھنے کی بجائے ملک کا حاکم ومالک سمجھ بیٹھے ہیں۔ لگتا ہے کہ ملک زعفران زار ہو چکا ہے۔ مسلمان ہونا ایک جرم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ پہلو خاں سے شیخ افروز الاسلام تک مسلمانوں کا بہیمانہ قتل ملک کی انتہائی بھیانک تصویر دکھلا رہا ہے۔ شریعت اسلامیہ کے اصول وضوابط پر تنقید آرائیاں، پھر قوانین اسلامی میں بالجبر تبدیلی کی سازشیں کسی سے مخفی نہیں۔ ہم قوم مسلم کو بیدار کرنے کی کوشش وکاوش میں مصروف عمل ہیں، اور ہم اس حقیقت سے بھی آشنا ہیں کہ کسی قوم کو جگانا ضرور مشکل امر ہے، لیکن اللہ پر اعتماد وتوکل ہے۔ اللہ ہی کارساز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ☆ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى﴾ (سورہ اعلیٰ: آیت ۹،۱۰)

ترجمہ: تو تم نصیحت فرماؤ، اگر نصیحت کام دے۔ عنقریب نصیحت مانے گا، جو ڈرتا ہے۔ (کنزالایمان)

﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورہ ذاریات: آیت ۵۵)

ترجمہ: اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔ (کنزالایمان)

منقوشہ بالا آیات مقدسہ کی روشنی میں امید واثق قریب بہ یقین ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری تحریریں قوم پر اثر انداز ہوں گی۔

رب تعالیٰ ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کو مسلمانان ہند کے دینی ودنیوی عروج کے لیے فولادی زینہ بنادے: آمین ثم آمین

کبھی طلاق کو بہانہ بنا کر شریعت اسلامیہ پر حملہ، کبھی حج سبسیڈی ختم کر کے ہندوؤں کو خوش کرنے کی کوشش۔ بلامحرم عورت کو حج پر جانا شریعت نے منع فرمایا ہے۔ مودی حکومت نے اس کی اجازت بھی اسلامی قانون کو توڑنے کے لیے دی ہے۔ مسلمانوں کو سہولت پہنچانا مقصود نہیں ہے۔ 28: دسمبر ۲۰۱۷ء سے 16: جنوری ۲۰۱۸ء تک یعنی تین ہفتوں کے اندر یہ تین مسلم مخالف فیصلے لیے گئے۔

کس قدر سخت تعجب کی بات ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی رہنما بالکل خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ اگر ان قائدین پر کوئی آفت آجائے تو ساری قوم سراپا احتجاج بن جاتی ہے، لیکن اگر قوم پر کوئی افتاد پڑے تو کوئی قائد زخم پر مرہم رکھنے بھی آگے نہیں بڑھتا۔ نہ مجاہد ملت سا کوئی سرفروش غازی نظر آتا، نہ مفتی اعظم کی طرح کوئی مخلص سربراہ قوم۔ ان روشن چراغوں کی کچھ روشنی علامہ ارشد القادری میں نظر آتی تھی، پھر یہ چراغ بھی بجھ گیا اور ہر چہار سمت گھٹا ٹوپ تاریکی چھا گئی۔ اب کشتی امت کو ساحل نجات پر لانے کے واسطے ہم کسی ناخدا کے منتظر ہیں۔

سپریم کورٹ کے چار سینئر ججوں نے 12: جنوری ۲۰۱۸ء کو دہلی میں ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ اہل ہند کو یہ اطلاع دی کہ ملک ہند

میں جمہوریت خطرے میں ہے۔آج ہم اہل ہند کو اس کی اطلاع دیتے ہیں، تاکہ 20: سال بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ سپریم کورٹ کے ججوں نے اپنا ضمیر بیچ دیا تھا۔ان ججوں کے بقول چیف جسٹس آف انڈیا دیپک شرما کا طریق کار بھی اطمینان بخش نہیں۔چیف جسٹس آف انڈیا کے بعد سپریم کورٹ کے دوسرے نمبر کے جج جسٹس چملیشور کی رہائش گاہ تغلق آباد (دہلی) میں پریس کانفرنس ہوئی۔جسٹس چملیشور کے ساتھ سپریم کورٹ کے تین جج جسٹس رنجن گوگوئی،جسٹس کورین جوزف اور جسٹس مدن بی لوکر اس میں شامل تھے۔آزاد بھارت کی ستر سالہ تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ سپریم کورٹ کے ججوں نے قوم کو جمہوریت کی تباہی کی خبر دی ہے۔اس دن کو ملک ہند کی تاریخ میں یوم سیاہ قرار دیا گیا ہے۔ ان سینئر ججوں نے محض کچھ اشارات دیئے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ معاملہ بہت دور جا چکا ہے۔منوسمرتی کو دستور ہند بنانے کی کوشش جاری ہے۔

قوم مسلم کو چاہئے کہ علمائے دین کی اجازت سے پسماندہ طبقات اور اقلیتوں کی غیر سیاسی تحریک بام سیف (BAMCEF) میں شریک ہو کر اپنے بھاری بھرکم وجود کا خود بھی احساس کریں اور ارباب سیاست کو بھی احساس دلائیں۔اگر خالص مسلمانوں کی کوئی تحریک وجود میں آتی ہے تو مخالفین کسی طرح بھی دہشت گردی کا الزام عائد کر کے پابندی عائد کرا دیں گے۔بام سیف گرچہ ایک غیر سیاسی تحریک ہے، لیکن اس میں شرکت کے سبب قوم مسلم میں سیاسی شعور بیدار ہو سکتا ہے۔فسادات کے موقعوں پر پسماندہ طبقات کو ہی مسلمانوں کے خلاف ورغلایا جاتا ہے،اس لیے اس تحریک میں شرکت سے باہمی تعلقات کو بھی فروغ حاصل ہوگا۔ملک کو ہندوراشٹر ہونے سے بچایا جائے۔

ساڑھے تین ہزار سال تک (۱۵۰۰ قبل مسیح سے آج تک) بھارت کی اصل باشندہ قوم یعنی شودروں پر مسلسل برہمنی مظالم ڈھائے گئے ہیں۔۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد قوم مسلم بھی اسی فہرست میں شامل کر لی گئی ہے۔رفتہ رفتہ تعلیم عام ہوتی جا رہی ہے،اور قوم شودر باشعور ہوتی جا رہی ہے۔وہ برہمنی مظالم سے نجات کی تلاش میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔پسماندہ اقوام کے رہنما اپنی قوموں کو ڈاکٹر امبیڈکر کے نام پر متحد کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔غیر آرین لیڈروں کو سیاسی مشکلات کا بھی سامنا ہے۔لالو پرساد یادو نے بی جے پی کے خلاف آواز اٹھائی تو اسے اپنے پرانے مقدمات کے سبب جیل جانا پڑا۔اللہ تعالیٰ بیرسٹر اسدالدین اویسی کی حفاظت فرمائے۔کیا مسٹر اویسی کو قوم مسلم اپنا قائد تسلیم کر سکتی ہے؟ آدمی کام کا معلوم ہوتا ہے۔ہاں،قوم مسلم کو اس سے دور کرنے کی بھی سازش ہوگی۔قوم مسلم بیسا کھیوں پر چلنے کی عادی ہو چکی ہے۔یہ لوگ اپنے پاؤں پر کیسے کھڑے ہوں گے؟ اویسی کی فکر ونظر میں آنے والی تبدیلیاں بہت کچھ بتا رہی ہیں۔

ملکی سطح پر تمام اقوام ہند کو برہمن واد سے خطرہ ہے۔برہمن واد اور قوم یہود کی سازشوں کا مقابلہ بہت مشکل ہے۔انفرادی طور پر یہ ایک خواب کی مثل ہے،اجتماعی قوت بھی اس کے بالمقابل کامیاب ہو جاتی ہے تو بہت بڑی بات ہے۔یہودیوں نے ساری دنیا کو اپنی مٹھی میں بند کر لیا ہے،اور ہندوستان پر برہمنی نظام قابض ہوتا جا رہا ہے۔اسرائیل کے قیام سے آج تک آر ایس ایس نے فلسطین کی بجائے اسرائیل کے غاصبانہ قبضہ کی حمایت کی ہے۔مرکز میں بی جے پی حکومت کے برسر اقتدار ہونے کے بعد اسرائیل وہند تعلقات اور دونوں جانب سے وزرائے اعاظم کی آمدورفت پوشیدہ حقائق کی جانب اشارہ کو کافی ہیں۔یہودی اور برہمن اپنے علاوہ دیگر انسانوں کو بہت ہی حقیر سمجھتے ہیں۔

ہم مسلمان بھی اسی ملک میں رہتے ہیں اور ہمارے پڑوس میں برہمن جیسی خطرناک قوم آباد ہے۔ملک میں ہماری جان ومال،دین وشریعت،مساجد ومدارس،خانقاہ ومزارات،مسلم خواتین کی عفت وعصمت،معیشت وحرفت،الغرض ہر چہار جانب سے سلسلہ وار حملے ہو رہے ہیں۔اس بارے میں عملی اقدام تو بہت دور کی بات ہے،ہمارے قومی ومذہبی رہنما اس سے متعلق بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔محررین ومقررین کسی انقلابی فکر کی تعمیر کے لیے مستعد نہیں۔پارلیامنٹ میں ایک بیرسٹر اویسی اور سنی دنیا میں ایک رضا اکیڈمی کیا کیا کرے؟؟؟

مذہبی سطح پر نظر دوڑائی جائے تو داخلی فتنوں کا ایک نہ تھمنے والا طوفان ارباب تسنن کو گرفتار مصائب کر رکھا ہے۔افتراق وانتشار کے اس عہد ابتلا میں بعض نو فارغین نے مذہب اہل سنت وجماعت کے عقائد واصول پر حرف زنی شروع کر دیا ہے۔حواس باختگان کے گروپ کا میر

کارواں خلیل بجنوری (م ۱۹۹۰ء) ہے۔اس وقت بجنوری تنہا میدان میں تھا۔اب تو ایک منظّم گروپ تخریب کاری پر اتر آیا ہے۔ان نو فارغین نے مذہب اہل سنت و جماعت کے مسلمات ومعتقدات پر شب خون مارنا شروع کر دیا ہے۔انہیں یہ وہم ہو چکا ہے کہ آج یا کل ارباب مسلک ہمارے افکار ونظریات کو قبول کرلیں گے،اور مذہب اہل سنت و جماعت کے معتقدات ومسلمات میں ہمارے اوہام عاطلہ وخیالات باطلہ کو بھی جگہ مل سکے گی،حالانکہ یہ ممکن نہیں۔حدیث نبوی کی صراحت کے مطابق مجدد دین اسلام کے علاوہ بھی ہر عہد میں ایک طبقہ احقاق حق وابطال باطل کے لیے موجود رہے گا،پس کسی فکر باطل کو لمحہ بھر کے لیے بھی حق کے ساتھ خلط ملط ہونے کی گنجائش نہیں۔غلامان مصطفیٰ مستعد ہیں۔

خلیل بجنوری کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اس کے تمام اہل خاندان وہابی تھے۔بجنوری نے وہابیوں کے یہاں تعلیم حاصل کی تھی، پھر یہ سنی بن کر خانقاہ برکاتیہ سے خلافت واجازت حاصل کیا اور پیر طریقت بن بیٹھا۔جب اس کا اپنا ایک حلقہ قائم ہو گیا تو مذہب اہل سنت و جماعت کے مسلمات ومعتقدات میں شکوک وشبہات پیدا کرنا شروع کر دیا،پھر اسی راہ پر مصر ومستمر رہا،تا آنکہ موت کے آہنی پنجوں نے اس کے فتنوں کو کچل کر رکھ دیا۔آج بجنوری کے فکری جانشینوں کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔یہ صحیح ہے کہ یہ لوگ مدارس اہل سنت کے فارغ التحصیل ہیں،اور سنی خانقاہوں سے وابستہ ہیں،لیکن یہ مقاصد باطلہ کی تکمیل کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔پس منظر میں کوئی گمراہ طبقہ بھی ہوسکتا ہے،یا یہود ونصاریٰ کی کوئی ذیلی تنظیم بھی ہوسکتی ہے۔سر دست ہمیں ان فتنوں کی سرکوبی کرنی ہے: واللہ الموفق الی صراط الحق!!!

سکھا دو سر کچلنے کا ہنر معصوم بچوں کو انہیں بھی کاٹنی ہے زندگی سانپوں کی بستی میں

دوماہی-الرضا: انٹرنیشنل (پٹنہ) مسلسل داخلی فتنوں کا تعاقب اور ان گمراہ گروں کے افکار ونظریات سے قوم وملت کو محفوظ رکھنے کی ہر ممکن تدبیر بروئے کار لا رہا ہے۔ہم ''الرضا: انٹرنیشنل'' (پٹنہ) کو سوغات تشکر پیش کرتے ہوئے مکمل تائید وحمایت کرتے ہیں۔''الرضا'' کی تحقیقات گواہی دے رہی ہیں کہ داخلی فتنوں کا مرجع خانقاہ سید سراواں (الہ آباد) ہے۔چند سالوں پیش تر اس خانقاہ کے نام سے بھی کوئی واقف نہ تھا۔اکیسویں صدی عیسوی کے عشرہ اولیٰ میں اس خانقاہ کا ابتدائی چرچا ہوا،ساتھ ہی کچھ عجیب وغریب باتیں بھی سننے میں آئیں۔ اب ''الرضا: انٹرنیشنل'' نے چند شماروں میں جن حقائق کو پیش کیا ہے،اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔اگر آج اس پر قابو پانے کی کوشش نہ کی گئی تو مستقبل میں معاملہ انتہائی پیچیدہ ہو جائے گا۔خانقاہ سید سراواں کے شیخ وسجادہ نشیں ودیگر ذمہ داروں سے عرض ہے کہ اپنے اور اپنے حاضر باشوں کے افکار ونظریات پر نظر ثانی کریں،کیونکہ اب قدم اعتقادیات کی جانب بڑھتا جا رہا ہے۔

استاذ عالی المراتب صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ الاقدس ناظم تعلیمات: الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور) نے مجلس شرعی کے چوبیسویں فقہی سیمینار منعقدہ 9,8,7 نومبر ۲۰۱۷ء کے خطبہ صدارت میں مسلک دیوبند کے اشخاص اربعہ کی تکفیر پر علمائے اہل سنت و جماعت کے اتحاد واتفاق کا ذکر فرمایا،اور عہد حاضر میں طاعون جارف کی طرح پھوٹ پڑنے والے داخلی وخارجی فتنوں کا اجمالی تذکرہ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ فرما دیا ہے۔وہ ایک متن ہے،جس پر شروح وحواشی لکھے جاتے رہیں گے: جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدارین: آمین

عہد حاضر میں ایک نیا فیشن بن چکا ہے کہ لوگ مذہب اہل سنت و جماعت کے معتقدات کا انکار کسی کا نام لے کر کرتے ہیں،مثلاً اعلیٰ حضرت نے ایسا فرمایا ہے،اور ہم اعلیٰ حضرت کو نہیں مانتے۔اعلیٰ حضرت کو ماننا الگ معاملہ ہے،اور اعلیٰ حضرت کے معتقدات کو نہ ماننا الگ معاملہ ہے۔اعلیٰ حضرت مذہب اہل سنت و جماعت کے معتقدات ومسلمات پر قائم تھے۔اب اگر کوئی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے کسی عقیدہ کا انکار کرتا ہے تو وہ مسلک اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کا منکر ہے۔اس کا حکم وہی ہوگا،جو مذہب اہل سنت کے کسی عقیدہ کے منکر کا حکم ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز لاتعداد خادمان اسلام میں سے ایک ہیں۔اس دفتر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آج تک نہ جانے کتنے خوش نصیبان بنی آدم کا نام مرقوم ہوگا۔اب اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے خدمت دین کا منصب ان

نفوس قدسیہ کو کیوں عطا فرمایا؟ نہ اس کے اسرار ورموز ہمیں معلوم ہیں، نہ ہی کشف حقائق کی کوئی ضرورت ہے، نہ ہی کوئی صورت۔ ہاں، جب کسی کو یہ رتبہ عظمیٰ عطا فرما دیا گیا تو ہمیں اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا فیصلہ قبول کرنا چاہئے۔ مذہب اسلام کے کسی عقیدہ کا محض اس لیے انکار کر دینا کہ فلاں نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے، ایک عجیب وغریب بات ہے۔ یہ شعر کتنا برمحل ہے۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ دین حق پہچان کر ہم ہوئے مسلم تو وہ مسلم ہی کافر ہوگیا

عہد حاضر میں مسئلہ تکفیر کو انتہائی مغالطہ آمیز اسلوب میں پیش کیا جاتا ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے حضور اقدس حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی کے سبب مسلک دیوبند کے اشخاص اربعہ پر حکم کفر جاری کیا تھا۔ خلیل بجنوری سے یہ رواج چل پڑا ہے کہ لوگ سنیت کا لبادہ اوڑھ کر اشخاص اربعہ کی تکفیر کا انکار کرتے ہیں، اور قوم مسلم کو بھی خلجان میں مبتلا کر دیتے ہیں، حالانکہ امام اہل سنت کے فتویٰ سے قبل بھی اشخاص اربعہ میں سے تھانوی کے علاوہ باقی تین پر علمائے اہل سنت حکم کفر جاری کر چکے تھے۔ ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی (پاکستان) نے اپنی کتاب ''حسام الحرمین کے سو سال'' میں ان تمام حقائق کو تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیا ہے۔

منافقین مدینہ ایک طویل مدت تک مسلمانوں کے ساتھ رہے۔ حضرات صحابہ کرام کو ان کی منافقت کا علم تھا، لیکن اب تک ان کے بارے میں نہ آیت قرآنی نازل ہوئی تھی، نہ ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی حکم صادر ہوا تھا، اس لیے صحابہ کرام خاموش تھے، پھر وہ وقت بھی آیا کہ رب تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں حکم نازل فرمایا، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نام لے لے کر منافقین کو مسجد نبوی سے نکال دیا۔ انجام کار نو فارغین کا یہ ٹولہ بھی یا تو راہ حق کی طرف آئے گا، یا پھر اپنے انجام بد کو پہنچے گا۔

حضور اقدس سرور دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے ادبی پر جان بوجھ کر اصرار، اور بے ادبوں کی تائید وطرفداری پر جان بوجھ کر اصرار کے سبب اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق سلب فرما کر خذلان میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ عہد رسالت سے تا امروز اس امر کے بہت سے شواہد ہیں۔ ہر انسان کو ان دونوں عیبوں سے دور بھاگنا چاہئے۔ منافقین کے بارے میں ارشاد الٰہی نازل ہوا: ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (سورہ بقرہ: آیت ۱۰) پس کسی امر شنیع پر اصرار نہ کیا جائے۔ ہر گناہ، بلکہ کفر وشرک بھی توبہ ہوتی ہے، لیکن بندہ توبہ اسی وقت کرتا ہے، جب توفیق الٰہی مددگار رہو۔ اگر مذکورہ نو فارغین کو کسی قسم کا شبہہ ہے تو اپنے اساتذۂ کرام کے پاس جائیں، تاکہ تشفی بخش جواب پائیں۔

اشخاص اربعہ کی تکفیر سے انکار پر جو تاویلات پیش کی جارہی ہیں، ان تمام کے جوابات علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں رقم فرما دیا ہے۔ اسی طرح دیابنہ سے مناظرہ کے وقت بھی ان سوالوں کے جوابات دیئے جاچکے ہیں۔ وہ تمام باطل تاویلات ہیں، اور عندالشرع ناقابل قبول ہیں۔ کفر کلامی میں تاویل صحیح کی گنجائش نہیں ہوتی، اور تاویل باطل عندالشرع قابل قبول نہیں ہوتی۔

تکفیر کلامی انتہائی مشکل امر ہے۔ ایسے مشکل مسائل میں نو فارغین کسی فیصلہ کے قابل نہیں، اور نا اہلوں کا فیصلہ کن انداز میں کلام کرنا شرعی اصولوں سے لاعلمی کا واضح ثبوت ہے۔ ہاں، رفع شکوک کا حق ہر ایک کو حاصل ہے۔ مذکورہ نو فارغین اپنے اساتذۂ کرام کے پاس جا کر معاملہ حل کر لیں۔ ان نو فارغین کو جن مدارس عربیہ نے سند فضیلت وعالمیت تفویض کی ہے، وہ اپنے ان فارغین سے رابطہ کریں۔ راہ حق پر نہ آنے کی صورت میں ان کی سندیں منسوخ کی جائیں۔ استاذ گرامی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ الاقدس کا وضاحتی بیان آچکا ہے۔

عصر حاضر میں جابجا سوال اٹھایا جاتا ہے کہ علمائے دین وشعرا ومقررین محض امام اہل سنت کا تذکرہ کرتے ہیں، دوسروں کو فراموش کر جاتے ہیں۔ علمائے اسلام، شعرائے کرام وخطبائے ذوی الاحترام سے بصد ادب عرض ہے کہ موقع ومحل کے اعتبار سے دین متین کے خدمت گذاروں کا چرچا کرتے رہیں، تاکہ ان نفوس عالیہ کے منسلکین ہم سے بکھر نہ سکیں۔ ابلیس لعین جماعت مسلمین کو شکست وریخت سے دوچار کرنے کی تدبیریں سوچتا رہتا ہے، پھر اپنے افکار کو بطریق وسوسہ انسانی قلوب میں پیوست کر دیتا ہے، پس آپ شیطانی تدبیروں کو توڑ ڈالیں۔

تحفظ ناموس رسالت علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء

ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کا اجرا تحفظ عقائد ہی کے لیے ہوا تھا۔ سال ۲۰۱۲ء مطابق ۱۴۳۳ھ میں ہم نے تحفظ ناموس مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خاطر حسام الحرمین کی تصدیق جدید کی تحریک چلائی تھی۔ اسی تحریک کے ضمن میں عقائد اہل سنت کے تحفظ کے لیے ایک مستقل میگزین کا تصوراتی خاکہ وجود پذیر ہوا۔ آج وہ تجویز یافتہ میگزین وجودی شکل میں ''پیغام شریعت'' کے نام سے قوم مسلم کے ہاتھوں میں ہے۔ عصر حاضر میں داخلی فتنوں کا سلسلہ دائرۂ فقہیات سے تجاوز کر کے اعتقادیات کی سرحدوں میں بھی سرنگیں کھودرہا ہے۔

کج فکروں نے حضور اقدس سرور دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے ادبوں کی تائید و ناحق طرفداری شروع کردی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) صاحب ملت بیضا حبیب کبریا حضرت سیدنا وسندنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تائید و طرفداری میں ایک وقیع ووسیع سلسلہ مضامین شروع کرے گا، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ بوقت ضرورت ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کا ہر ہر صفحہ، بلکہ تمام الفاظ وحروف اور ہر ایک حرکت وجزم مع قصد وعزم حضور اقدس حبیب کبریا سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت وناموس کی پاسبانی کرتا نظر آئے گا۔ رحمت الٰہی سے امید کامل کہ ہمیں تحفظ ناموس رسالت کا شرف عطا کیا جائے گا: اللہم ربنا تقبل منا: آمین

الحنیف فقہی ویب سائٹ

ادارہ پیغام شریعت (دہلی) کی جانب سے فقہی ویب سائٹ بنام الحنیف ڈاٹ کام (www.alhaneef.com) تشکیل دی گئی ہے۔ یہ ویب سائٹ انگریزی زبان میں ہے۔ مذہب حنفی کے مطابق مسائل کا ایک عظیم ذخیرہ ویب سائٹ میں اپ لوڈ کردیا گیا ہے۔ اس کے اردو ترجمہ کی پلاننگ ہے۔ ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) کے لیے مستقل ویب سائٹ کا بھی ارادہ ہے۔ ابھی ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو فیس بک اور ٹیلی گرام پر میگزین اپ لوڈ کردیا جاتا ہے۔ فیس بک پر انگریزی میں (Paigham E Shariat) لکھ کر سرچ کریں۔

قلم کاران وقارئین

ہمارے قابل تکریم قلم کاران انتہائی خوش اسلوبی اور متانت وسنجیدگی کے ساتھ قوم مسلم کی صالح رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کی تحریری خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے (آمین) محررین مضمون نویسی سے قبل موضوع سے متعلق اطلاع فرمائیں۔ ماہنامہ پیغام شریعت کے قارئین کے شوق وذوق کا ہم احترام کرتے ہیں۔ کبھی کسی سبب سے میگزین قارئین تک پہنچ نہیں پاتا، جس کا ہمیں بے حد افسوس ہے۔ میگزین نہ ملنے پر ہمیں ضرور اطلاع دیں۔ طباعت، تصحیح مضامین، ترسیل میگزین ودیگر شعبہ جات میں عمدگی لانے کی کوشش ہے۔

کالم ''باغ وبہار'' کا سالانہ رزلٹ

باغ وبہار کے کالم میں شرکت کرنے والے طلبہ وطالبات کے رزلٹ کا اعلان شمارہ اپریل ۲۰۱۸ء میں کردیا جائے گا۔ ادارہ پیغام شریعت (دہلی) اس کالم میں حصہ لینے والے تمام طلبہ وطالبات کا بے حد شکر گذار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو دوجہاں کی برکتوں سے سرفراز فرمائے، اور ہم تمام کو بھی دنیا وآخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے: آمین بجاہ النبی الامین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

علمائے کرام کے مختلف معاشی طبقات

مولانا محمد شفق قادری فیضی: مٹیا برج راجہ بگان کولکاتا (بنگال)

(1) علما کا ایک طبقہ وہ ہے جو اسٹیجوں کی دنیا کا مسافر ہے۔ بڑی محنت ومشقت سے دور دراز کا سفر کر کے بذریعہ اسٹیج دین کی بات لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اسی جماعت میں علما کا دو گروہ ہے۔ ایک وہ جو واقعی اسٹیج کے قابل ہیں، جن کی تقریر سنی جاسکتی ہے اور انہیں علما کے بارے میں کہا گیا ہے کہ علما کے چہرے کو دیکھنا ثواب ہے۔ بڑی محنت ومشقت سے دین کی ایسی باتیں لوگوں تک پہنچاتے ہیں جو قرآن و احادیث سے ماخوذ ہوتی ہیں اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ یہ اپنا نذرانہ بھی متعین نہیں کرتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں برکت بھی عطا فرماتا ہے۔ ایسے جید علما کی عمر میں اللہ تبارک وتعالیٰ درازگی عطا فرمائے: آمین

اسی طبقے کا دوسرا گروہ وہ ہے جنہیں اسٹیج کی دنیا کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات اسٹیج پر آتے ہی ایک ہی سانس میں پوری بات عوام تک پہنچانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں اور بہت حد تک کامیاب بھی ہو جاتے ہیں، مگر افسوس ہماری عوام سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو پاتی۔ ہاں، مگر عوام کو ایسی تقریروں سے مزہ بہت آتا ہے، کیونکہ عوام کا ایسا مزاج انہیں لوگوں نے بنایا ہے اور اب شکایت یہ ہے کہ عوام اصلاحی تقریر سننا ہی نہیں چاہتی۔ سنے بھی تو کیسے؟ ذہن سازی تو ہو چکی ہے۔ غور کرو میرے بھائی! کیا آپ یہ صحیح کر رہے ہو؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ایسی تقریریں سن سن کر آج قوم دینی تعلیم کی کس منزل پر جا چکی ہے؟ آج ضرورت ہے تو اس بات کی کہ دین کی وہ باتیں عوام الناس تک پہنچائی جائیں جوان پر سیکھنا فرض ہے۔ یہ من گھڑت واقعات سیکھنا فرض نہیں۔ برائے کرم بھائی! ذرا غور کریں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے: آمین

(2) علمائے کرام کا دوسرا طبقہ وہ ہے جو درس وتدریس سے جڑا ہوا ہے، جنہیں ہم دل سے استاذ العلما، فقیہ النفس، جلالت العلم، جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں جو کہ ہمارے مشفق اساتذہ ہیں۔ جن کا مرتبہ والدین سے بھی بڑا ہے۔ جن کی بارگاہ سے تربیت پا کر ہم نے اپنے آپ کو انسان بنایا۔ اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے، کھانے، پینے، کچھ بولنے کے قابل بنایا۔ جن کا احسان ہم پوری زندگی ادا نہیں کر سکتے۔ مدرسوں کی ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر عرش والے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باتیں بتانے والے ہمارے یہی اساتذہ ہیں۔ ہزار ہا سلام ہو ایسے جید اساتذہ وعلما پر جنہوں نے اپنی پوری زندگی دین وسنیت کے لیے وقف کر دی اور تاعمر دین کی نشر واشاعت کرتے ہوئے اس فانی دنیا سے باقی رہنے والی دنیا کی طرف کوچ کر گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام کے مرقد انور پر رحمت ونور کی خوب خوب بارش برسائے: آمین

(3) علمائے کرام کا تیسرا طبقہ: ائمہ مساجد: آج اگر ہم اہل سنت وجماعت کی مسجدوں پر غور کریں تو بے شمار ایسی مسجدیں ملیں گی جس کا امام فقط حافظ ہوگا، یا زیادہ سے زیادہ شعبہ عالمیت کے ابتدائی درجات تک ان کی تعلیم ہوگی۔ ان کے پاس اتنی تعلیم ہی نہیں ہوتی کہ عوام ان سے مکمل طور پر استفادہ کر سکیں۔ مسجد ہی ایک ایسا مستحکم ذریعہ ہے کہ جہاں سے عوام الناس تک دین کی باتیں پہنچائی جاتی ہیں۔ جب مسجد کے امام ہی کم تعلیم یافتہ ہوں گے تو عوام الناس کا حال کیا ہوگا، اس لیے زیادہ ضروری ہے کہ مسجد کے امام اچھے اور باصلاحیت عالم دین ہوں، تا کہ عوام مکمل طور پر استفادہ کر سکے۔ بہت ساری ایسی مسجدیں ہیں جہاں ماشاءاللہ پڑھے لکھے باصلاحیت عالم تو ہیں، مگر ان کی تنخواہ اتنی کم ہے کہ وہ کم تنخواہ ہونے کی وجہ سے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے پارٹ ٹائم جاب میں مصروف رہتے ہیں، جس کی وجہ سے دین کا کام اتنا نہیں ہو پاتا، جتنا ہونا چاہئے، اس لیے ہماری مندرجہ ذیل تجاویز پر غور وفکر کیا جائے، تا کہ ماحول میں بہتری آسکے: ان شاءاللہ تعالیٰ

(1) مسجد کے اراکین دین دار وتعلیم یافتہ ہوں (2) امامت کے لیے اہل سنت وجماعت کے معتبر مدارس کے فارغ شدہ عالم کا انتخاب کیا جائے (3) امام کو مکمل سہولیات فراہم کی جائے (4) زمانہ کا اعتبار کرتے ہوئے معقول وظیفہ دیا جائے۔ ☆☆☆☆☆

باغ وبہار

مدارس اسلامیہ کے طلبا وطالبات اور اسکول وکالج کے اسٹوڈنٹس کی قلمی مشق وتربیت کے لیے یہ ایک مستقل کالم ہے۔اس کالم میں صرف مختصر مضامین {Short Articles} قبول کیے جائیں گے، جو عام فہم ہوں۔مضمون نگار اپنا نام، ولدیت، سکونت، تعلیم گاہ اور درجہ و کلاس کی تفصیل بھی درج کرے۔''باغ وبہار'' کے مضامین درج ذیل ای میل پر بھیجیں۔(ادارہ پیغام شریعت: دہلی)

tariqueanwer313@gmail.com

قوم جن: ایک عجیب وغریب مخلوق

محمد امتیاز بن محمد اسماعیل، بھیونڈی (ضلع تھانہ: مہاراشٹر) کلاس: ایس وائی بی ایس سی، بی این این کالج (بھیونڈی)

جنات (قوم جن) بھی انسان، حیوان، چرند، پرند اور فرشتوں کی طرح اللہ تعالی کی ایک مخلوق ہے، جسے اللہ نے آگ سے پیدا فرمایا ہے۔اس کا ذکر قرآن مجید کے سورہ جن میں موجود ہے۔جس طرح انسانوں اور دیگر مخلوق کا وجود یقینی ہے، اسی طرح جنوں کا وجود بھی یقینی ہے۔اللہ عزوجل قرآن مجید کی سورہ رحمٰن میں ارشاد فرماتا ہے۔"اور جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا"۔اس آیت سے معلوم ہوا کی قوم جن کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے۔یہ ایک لمحہ میں کہیں بھی آجا سکتے ہیں۔جنوں کو انسان سے زیادہ قوّت ہوتی ہے۔عمریں بھی لمبی ہوتی ہیں، اور اپنی لطافت کی وجہ سے جن کسی کو نظر نہیں آتے۔

جنات کی حقیقت: "جن اجسام رقیقہ ہیں، انسان وملائکہ کی صورت کے خلاف ہیں، عاقل ہیں، عوام کے دلوں میں وسوسہ بھی ڈالتے ہیں"۔(تفسیر روح البیان، ج15، ص278)

"جن جسم اور روح دونوں رکھتے ہیں، سوچنے اور سمجھنے کی قوّت بھی ہوتی ہے، ان میں نر اور مادہ ہیں، اس لیے اولاد کا سلسلہ بھی چلتا ہے"

جنات کی پیدائش جمعرات کے دن ہوئی۔(ابن کثیر)

جنات کو اور بھی کئی ناموں سے جانا جاتا ہے، مثلاً:

(1) بھوت یا آسیب: یہ جن خبیث اور نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

(2) رجال الغیب: نیک سیرت جنات، راہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھاتے ہیں۔

(3) شہابہ: بیابانوں اور جنگلوں میں ان کی وجہ سے آگ جلتی دکھائی دیتی ہیں۔

(4) چھلاوہ: چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی شکل میں نظر آتے ہیں اور غائب ہوجاتے ہیں۔(کتب تفاسیر)

حیات الحیوان میں جنات کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں

(1) وہ جن کے پر ہوتے ہیں اور وہ ہوا میں اڑتے ہیں (2) وہ جو سانپ کی شکل میں رہتے ہیں (3) وہ جو انسان کی طرح ہیں۔ (حیات الحیوان)

جنات کی غذا: کوئلہ، ہڈی، اونٹ، بکری اور بھیڑ کی مینگنی یا گائے، بھینس کا گوبر جنات کی خوراک ہے، جس کا ذکر مختلف حدیثوں میں

موجود ہے۔

جنات بارگاہ رسالت میں: حدیث کی کتابوں میں حضور اقدس صلی اللہ وعلیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام لانے والے اور صحابیت کے منصب پر فائز ہونے والے بہت سے جنوں کے واقعات موجود ہیں۔قرآن مقدس کی آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جنات بھی اللہ کی ایک مخلوق ہے، اور اس کا اپنا ایک الگ وجود ہے۔

طلبائے مدارس کو روحانی غذا کی ضرورت

کلیم اشرف رضوی بن محمد امتیاز احمد، مظفر پور (بہار) درجہ رابعہ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (اعظم گڑھ)

سیر وتفریح کی غرض سے میں اپنے دوست کے ساتھ لکھنو گیا۔وہاں سے واپسی کے دوران بارہ بنکی میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔میرے دوست نے بتایا کہ اسٹیشن سے چند کیلومیٹر کے فاصلے پر مسولی شریف ہے۔ ہمارے علاقے کے بہت سے طلبہ وہاں زیر تعلیم ہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ آج کی شب ہم سرکار مسولی سید اسمعیل شاہ واسطی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر ان کے روحانی فیوض وبرکات سے حاصل کریں۔چوں کہ ٹرین بھی لیٹ تھی، اس لیے میں نے بھی تائید کی اور کچھ ہی دیر بعد ہم سرکارِ مسولی کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔

ان کے نورانی روضے کی زیارت سے شادکام ہونے کے بعد ہم نے ''الجامعۃ الاسماعیلیہ'' مسولی شریف میں قیام کیا، جو سرکار مسولی رحمۃ اللہ علیہ کے بابرکت نام سے منسوب اور آپ کے روضہ مبارک سے متصل ایک عظیم دینی قلعہ ہے۔جس کے روحِ رواں قائد ملت پیرِ طریقت حضرت سید شاہ گلزار اسمعیل واسطی قادری مدظلہ العالی ہیں۔موصوف مدظلہ نے اپنی نتیجہ خیز محنت ومشقت سے بہت مختصر عرصے میں اس جامعہ کو شاہراہِ ترقی پر لا کھڑا کر دیا ہے اور آج دوسو سے زائد تشنگانِ علم اس علمی چشمہ سے سیراب ہورہے ہیں۔

صبح بیدار ہوکر ہم نے باجماعت نمازِ فجر ادا کی۔نماز کے بعد ہم نے وہاں کے طلبہ کے درمیان ایک ایسی چیز دیکھی جو آج کل طلبائے مدارس کے اندر بہت کم یا پھر نا کے برابر دیکھنے کو ملتی ہے اور جس سے طلبہ کو وہ روحانی طاقت وقوت فراہم ہوتی ہے، جو انہیں کائنات کو مسخر کر لینے کا حوصلہ اور جذبہ عطا کرتی ہے، اور طالبِ علم اس طاقت کے ذریعہ ہر محاذ پر کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ہم نے وہاں دیکھا کہ نمازِ فجر کے بعد تمام طلبہ واساتذہ مسجد ہی میں ذکر کی مجلس میں بیٹھ جاتے ہیں، اور اللہ اللہ، لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی صدائے دل نواز سے اپنے قلوب واذہان کی پاکیزگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ہم نے بھی اس مجلس میں شریک ہوکر اس کے انوار وتجلیات سے دل کے نہاں خانے کو منور وتاباں کرنے کی کوشش کی۔

آج ہم طرح طرح کی برائیوں میں مشغول ہیں اور دن بھر میں نہ جانے کتنے گناہ ہم سے سرزد ہوتے ہیں، اس کے باوجود ہم پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی طلب نہیں کرتے، یہ کتنے دکھ کی بات ہے۔عام لوگوں کی بہ نسبت طلبائے مدارس کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیوں کہ مستقبل میں ان کے ناتواں کندھوں پر امت مسلمہ کی قیادت ورہنمائی اور دین اسلام کی حفاظت وصیانت کا بارِ گراں آنے والا ہے۔طلبائے مدارس کو اپنی اس ذمہ داری کا از خود احساس ہونا چاہئے۔

ہم پڑھتے لکھتے تو بہت ہیں، اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم ہی مستقبل کے مذہبی قائدین ہیں، لیکن پھر بھی ہم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے کماحقہ اسے ادا کیوں نہیں کرتے؟ اگر ہم خود بے راہ روی کے شکار ہوں گے تو پھر ہم اپنی قوم کی رہبری کیسے کرسکیں گے؟ اگر ہم قوم کے مخلص اور مضبوط لیڈر بننا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے تمام گناہوں سے پاک وصاف اور علم کے ساتھ اپنے اندر عمل بھی پیدا کرنا ہوگا، ساتھ ہی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی بھی اہم ضرورت ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا بہت کم ہو پا رہا ہے۔

شایداس کی وجہ یہ ہے کہ ہم طلبہ کو علم کے ساتھ علم کو محفوظ کرنے اور اس کو جلا بخشنے کے لیے روحانی غذا فراہم نہیں ہو پاتی ہے، اور یہ ہماری فکری کمزوری کا نتیجہ ہے کہ ہم اس سے محروم ہیں۔ ہمیں کلاس کے علاوہ اور کسی چیز سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ ہم کوئی ایسا عمل کرنا ہی نہیں چاہتے کہ جس سے ہمیں روحانی طاقت وقوت حاصل ہو۔ ہم صرف اپنی محنت اور ذہانت کے بل بوتے پر کامیابی حاصل کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ بلاشبہ کامیابی کے حصول میں محنت ومشقت اور ذہانت کا دخل ہے، لیکن کامیابی کے حصول میں محنت وجفاکشی اور ذہانت سے کہیں زیادہ فضل خداوندی اور بزرگوں کا فیضان اہم رول ادا کرتا ہے۔ یادرکھیں! آپ لاکھ علوم وفنون سیکھ لیں، عالم وفاضل بن جائیں لیکن اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتو پھر آپ عالم وفاضل ہونے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ سے کوئی دینی خدمت انجام نہیں پا سکتی، کیوں کہ بےعمل اور بدکردار عالم جب اپنے علم سے خود کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو پھر اپنی قوم اور دین کو کیا فائدہ پہنچا سکے گا۔

الجامعۃ الاسمعیلیہ مسولی شریف کا نظام ہمیں بہت اچھا لگا کہ وہاں کے طلبہ علم کے ساتھ ذکر واذکار کے ذریعہ روحانی غذا بھی حاصل کر رہے ہیں، جو بلاشبہ ان پر خاص توفیقِ الٰہی کا ثبوت ہے۔ ہم طلبہ جہاں کہیں بھی زیرِ تعلیم ہیں، روحانی غذا کے حصول کے لیے کبھی کبھی یا مستقل طور پر وقت نکال کر ذکر واذکار کی مجلسیں منعقد کریں اور یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کو یاد کرکے رب کا فضل مانگیں۔ اوراوراد وظائف سے اپنے دل کو پاک وصاف کریں۔ دل صاف ہونے کے بعد ہم جو پڑھیں گے وہ ہم پر اثر انداز بھی ہو سکے گا۔

عصری تعلیم: دنیاوی ترقی کا اہم وسیلہ

سدرہ فاطمہ بنت عطاء المصطفٰی عالم شمسی (توپسیا، کلکتہ) کلاس پنجم: الیبنی ہال پبلک اسکول (بنیاپوکھر، کلکتہ)

امریکہ ویورپ کے باشندگان دینِ حق پر قائم نہیں ہیں، بلکہ ان ملکوں کے اصل باشندے یہودی اور عیسائی مذہب کے ماننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مذہب یعنی مذہب اسلام کو نہیں مانتے ہیں، اس کے باوجود یہ لوگ دنیاوی ترقی میں ساری دنیا سے آگے ہے۔ ان لوگوں کی ترقی کا راز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کیوں ان کو اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں؟ کچھ وجہ تو ضرور ہوگی۔ دراصل ان لوگوں کی محنت و مشقت اور دنیاوی ترقی میں مددگار علوم وفنون سے وابستگی ہے۔ مسلمان بھی دنیاوی ترقی کے خواہش مند ہیں، لیکن انہوں نے ان اسباب کو اختیار نہ کیا، پھر بھی خواہش مند ہیں۔ اب اس قوم کو کیسے سمجھایا جائے۔ برصغیر کے مشہور فلسفی شاعر ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ علم وہنر کے سبب اہل مغرب کو ترقی نصیب ہوئی ہے۔ ڈاکٹر اقبال یورپ میں تعلیم حاصل کرکے آئے تھے۔ ان کو حالات وحقائق کا علم تھا۔ انھوں نے کہا:

قوت مغرب نہ ازچنگ ورباب — نے زرقص دختران بے حجاب
نے زسحر ساحران لالہ روست — نے زعریان ساق ونے از قطع موست
محکمی اورانہ ازلادینی است — نے فروغش ازخط لاطینی است
قوت افرنگ ازعلم وفن است — ازہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت ازقطع وبرید جامہ نیست — مانع علم وہنر عمامہ نیست

(کلیات اقبال: فارسی)

آج بھی ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ علم وہنر کی دولت حاصل کرکے دنیاوی ترقی حاصل کریں اور اپنے اعمال واخلاق کو درست کرکے اپنی آخرت کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ ہم جو چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کے اسباب ووسائل کو اپنانا ہوگا۔

R.N.I. NO. DELURD/201565657
Publishing Date : 20
Advance Month

Postal Registration DL (DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages With Title Cover, Weight 95 grams
Posting Date : 20 & 22

Paigam E Shariat Monthly

Vol: 03 Issue: 30 MARCH-2018

ماہنامہ پیغامِ شریعت دہلی

گزشتہ دو سال سے زائد عرصے سے پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور اس کے قارئین کی تعداد چار ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے۔ اس کی آن لائن کاپی ہر ماہ فیس بک پر اپ لوڈ کر دی جاتی ہے جس کے سبب لوگ آن لائن بھی اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اس کے قارئین کا حلقہ بیرون ملک خصوصاً افریقہ، یورپ اور امریکہ کے ممالک تک ہے۔ آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے اشتہارات دے کر اس کو فروغ دیں۔

شرح اشتہارات

بیک ٹائٹل پیج	چار کلر	(کامل)	5000/-
بیک ٹائٹل پیج	چار کلر	(نصف)	3000/-
اندرونی ٹائٹل پیج	چار کلر	(کامل)	3000/-
اندرونی ٹائٹل پیج	چار کلر	(نصف)	2000/-
اندرونی صفحہ		(کامل)	2000/-
اندرونی صفحہ		(نصف)	1000/-

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at: M/s A/a Printing Press
3636 Katra Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Publishing from: H.No. 422, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali
Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006